۱۵۔ کسان

احسان دانشؔ

پہلی بات : بھارت کی مجموعی آبادی کا بڑا حصہ دیہاتوں میں رہتا ہے۔ دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں کی محنت کی بدولت شہریوں کی اکثر ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کا اہم پیشہ زراعت یعنی کھیتی باڑی ہے۔ اس کا شمار ابتدائی پیشے میں ہوتا ہے اس لیے اس پیشے سے جڑے لوگوں کو بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ کھیتی کے کام میں سب سے زیادہ محنت کسان ہی کی ہوتی ہے اس لیے ہمارے وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے 'جے جوان – جے کسان' کا نعرہ دیا تھا۔ ذیل کی نظم میں شاعر نے کسان کی محنت ہی کا ذکر کیا ہے۔

جان پہچان : احسان دانشؔ ۱۹۱۴ء میں کاندھلہ کے ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ غربت کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے۔ انھیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ اپنی نظموں میں انھوں نے عام آدمی کے جذبات کو بیان کیا ہے اس لیے انھیں مزدوروں کا شاعر کہا جاتا ہے۔ 'جہانِ دانش، جہانِ دیگر، ابرِ نیساں، حدیثِ ادب' ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ۲۱/ مارچ ۱۹۸۲ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

فضا ویران ہے ، گرمی کی شدّت ہے زمانے میں
مگر مصروف ہیں بیچارے دہقاں ہل چلانے میں

دلِ مجروح میں اُمّید کی تابانیوں والے
کڑکتی دھوپ میں تپتی ہوئی پیشانیوں والے

یہی دہقاں چلاتے ہیں جو ہل بنجر زمینوں میں
چراغِ آرزو سے دِل ہیں روشن ان کے سینوں میں

یہ وہ انساں ہیں ، دامانِ مشقّت میں جو پلتے ہیں
جہاں سوتا ہے اور یہ آبیاری کو نکلتے ہیں

برستے بادلوں میں کھیتیاں جب لہلہاتی ہیں
تو ان کی آرزوئیں جھومتی ہیں ، مُسکراتی ہیں

یہاں آتی ہیں لے کر قِسمتیں کاسہ گدائی کا
جہاں محتاج ہے ان کے پسینے کی کمائی کا

انھی کے بازوؤں سے ہیں بہاریں گلستانوں کی
انھی کے دم سے ہے تعلیم جاری نوجوانوں کی

انھی فاقے سے گھبرائے ہوؤں میں پارسائی ہے
انھی ڈوبے ہوؤں کے دم سے زندہ ناخدائی ہے

خلاصۂ کلام: شاعر کہتا ہے کہ کسان موسموں کی شدت کی پروا کیے بغیر کھیتوں میں ہل چلانے، بیج بونے اور آبیاری کرنے کے لیے صبح سویرے پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اُمید کے چراغ روشن ہوتے ہیں کہ ہماری محنت کا پھل ملے گا۔ فصلوں کا انحصار بارش پر ہے اس لیے اس موسم میں کسان بڑے آرزومند ہوتے ہیں۔ کسانوں کی قسمت سے دنیا والوں کی قسمت جڑی ہوئی ہے۔ لوگ ان کی محنت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ کسانوں کے دم سے کھیتوں پر بہار ہے۔ کسان خود تو فاقوں کے مارے ہوتے ہیں مگر اپنی محنت سے دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔

معنی و اشارات

دہقاں	-	کسان	کاسہ	-	پیالہ
دلِ مجروح	-	زخمی دل، دُکھی دِل	گدائی	-	فقیری
چراغِ آرزو	-	اُمید کی روشنی	پسینے کی کمائی	-	محنت کی کمائی
دامانِ مشقت	-	محنت کے سایے، مراد سخت محنت	پارسائی	-	پاکیزگی
آبیاری	-	فصل کو پانی دینا	ناخدائی	-	ناؤ کو کنارے تک لے جانے کی صلاحیت

مشق

✤ ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ گاؤں والوں کا اہم پیشہ کیا ہوتا ہے؟
۲۔ احسان دانش کہاں پیدا ہوئے؟
۳۔ چراغِ آرزو سے کن کے دل روشن ہیں؟
۴۔ کسان کھیت کی آبیاری کو کب نکلتا ہے؟
۵۔ کسان کی آرزوئیں کب جھُومنے لگتی ہیں؟
۶۔ دنیا کس کی کمائی کی محتاج ہے؟

✤ مختصر جواب لکھیے:

۱۔ دامانِ مشقت میں پلنے سے کیا مراد ہے؟
۲۔ شاعر نے کسان کی قسمت کو گدائی کا کاسہ کیوں کہا ہے؟
۳۔ کسان کے دم اور بازو سے کیا حاصل ہوتا ہے؟

وسعت میرے بیان کی

✤ درج ذیل شعر کا مطلب بیان کیجیے:

اُنھی فاقے سے گھبرائے ہوؤں میں پارسائی ہے
اُنھی ڈوبے ہوؤں کے دم سے زندہ ناخدائی ہے

✤ مندرجہ ذیل مصرعوں کی تشریح کیجیے:

۱۔ کڑکتی دھوپ میں تپتی ہوئی پیشانیوں والے
۲۔ جہاں محتاج ہے ان کے پسینے کی کمائی کا

✤ مفصل جواب لکھیے:

اس نظم میں کسان کے کن اوصاف کو بیان کیا گیا ہے؟

✤ غور کر کے بتائیے:

شاعر نے دہقاں کو بے چارہ کیوں کہا ہے جبکہ ...

۱۔ اس کے دم سے کھیتیاں لہلہاتی ہیں۔
۲۔ اس کے پسینے کی کمائی کا سارا جہاں محتاج ہے۔
۳۔ اس کے بازوؤں سے گلستان میں بہار ہے۔
۴۔ اسی کے دم سے نوجوانوں کی تعلیم جاری ہے۔
۵۔ اسی کے دم سے ناخدائی زندہ ہے۔

تلاش و جستجو

اس نظم میں صفت و موصوف کی بعض تراکیب آئی ہیں جیسے: کڑکتی دھوپ، بے چارے دہقاں، تپتی پیشانی وغیرہ۔ آپ چند ایسی تراکیب اپنی کتاب میں سے تلاش کیجیے اور ان کے معنی اپنی بیاض میں لکھیے۔

زورِ قلم

ا۔ اس نظم کی مدد سے 'کسان' عنوان پر پندرہ سطروں کا مضمون لکھیے۔

۲۔ 'میرا محبوب مشغلہ / میری پسندیدہ کتاب / میری پسندیدہ شخصیت' پر پندرہ سطروں کا مضمون لکھیے۔

سرگرمی / منصوبہ :

ا۔ 'انٹرنیٹ کی تباہ کاریاں / فوائد / نقصانات' پر تقریری مقابلے کا انعقاد کیجیے۔

۲۔ اپنے روزانہ کے کاموں کی تفصیل ایک ڈائری میں تاریخ وار لکھیے۔

۳۔ بڑھتی آلودگی، جنگلات کی کٹائی اور موسمی تغیرات نے ماحول میں عدم توازن پیدا کر دیا ہے۔ انھی باتوں کے تعلق سے بیداری کی غرض سے ایک مذاکرے کا انعقاد کیجیے۔

رُوبرُو

شاعر سے ملاقات : کسی شاعر کو اپنے اسکول میں مدعو کر کے ان کی تعلیم، ادبی سفر اور حالاتِ زندگی سے متعلق سوالات تیار کر کے ان سے گفتگو کیجیے/ انٹرویو لیجیے۔

عبارت آموزی

✤ **درج ذیل اقتباس کو غور سے پڑھیے اور دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیے :**

حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس یمن کی کچھ چادریں آئیں۔ یہ چادریں آپؓ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ ہر مسلمان کے حصے میں ایک ایک چادر آئی۔ حضرت عمرؓ کا حصّہ بھی ایک مسلمان کے برابر تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے تو چادر کا کُرتا پہنے ہوئے تھے۔ آپؓ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ ہم آپ کی بات نہیں سنیں گے کیونکہ ہمارے حصّے میں ایک چادر آئی تھی اور آپ نے دو چادروں سے اپنا کُرتا بنایا ہے۔ آپ نے خود کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے کہا کہ اس کا جواب تم دو۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ میرے حصّے میں جو چادر آئی تھی، وہ میں نے اپنے والد کو دے دی ہے کیونکہ ایک چادر میں ان کا کُرتا نہیں بن سکتا تھا۔

سوالات :

ا۔ مسلمانوں میں کہاں سے آئی ہوئی چادریں تقسیم کی گئیں؟

۲۔ ایک شخص حضرت عمرؓ کی بات سننے کو تیار کیوں نہیں تھا؟

۳۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے حصے کی چادر کا کیا کِیا؟

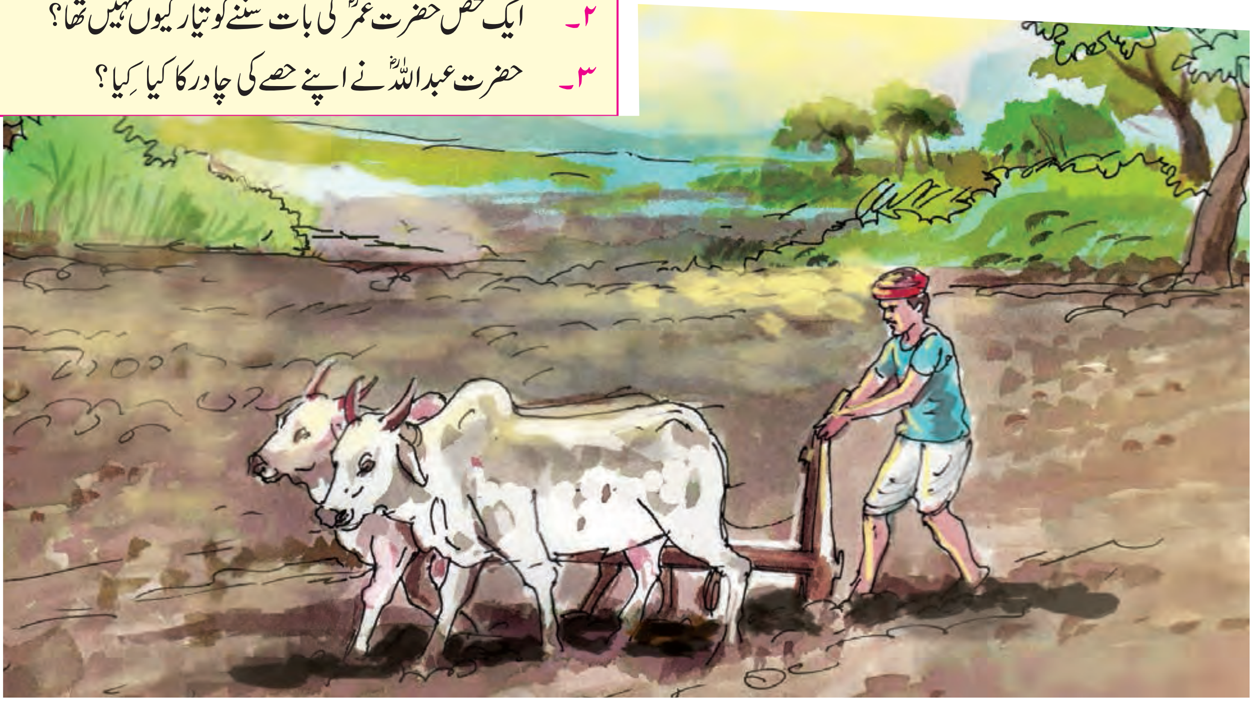

۱۶۔ ہزاروں سال لمبی رات

رتن سنگھ

پہلی بات : ایک کہاوت ہے 'بھوکے بھجن نہ ہوئے' یعنی آدمی اگر بھوکا ہو تو کسی کام میں اس کا جی نہیں لگتا؛ وہ کام چاہے خدا کی عبادت کیوں نہ ہو۔ بھوک لگنا انسان اور حیوان کی فطری عادتوں میں شامل ہے۔ کام کاج کرتے ہوئے اس کے اعضا تھک جاتے ہیں۔ اس کے جسم کو چلانے والے اعضا یعنی دل، جگر، معدہ وغیرہ پر بھی تھکن چھا جاتی ہے۔ اس تھکن سے جانداروں کو بھوک کا احساس ہوتا ہے۔ وہ کھانا کھالیں تو تھکے ہوئے اعضا کو پھر طاقت مل جاتی ہے اور وہ کام کرنے لگتے ہیں۔ بھوک کے تعلق سے اس سبق میں بتایا گیا ہے کہ انسان بھوکا ہو تو اسے نیند نہیں آتی، اس کا ذہن بے سر پیر کی باتیں سوچنے لگتا ہے۔ اگر بہت سے بھوکے انسان ایک جگہ جمع ہو جائیں تو پتا چلتا ہے کہ سب کا ذہن بھوک مٹانے کی فکر میں طرح طرح کی باتوں میں اُلجھا ہوا ہے۔ ذیل کی کہانی میں مصنف نے بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی انسانی بے چینی کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

جان پہچان : رتن سنگھ ۱۹۲۷ء میں سیال کوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ اُردو کے ممتاز افسانہ نگاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے افسانے انسانی زندگی کے مسائل پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں سماجی اور معاشرتی حالات بڑے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ 'پہلی آواز، پنجرے کا آدمی، کاٹھ کا گھوڑا' وغیرہ ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔

سننے والے اس کی بات بڑے انہماک سے سن رہے تھے۔ سنانے والا ان سب کے بیچ لیٹا ہوا، بالکل اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا تھا۔ ان میں کہیں کوئی تسلسل نہیں تھا۔ بات کرتے کرتے وہ خود ہی بہک جاتا جیسے راہ چلتا مسافر اپنی راہ سے بھٹک کر کسی غلط راستے پر چلنے لگے۔ ایک بات ادھوری ہی چھوڑ کر وہ کسی دوسری بات کا سرا پکڑ لیتا۔ اس طرح رات بہت دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔

وہ سب کے سب ریلوے اسٹیشن کی طرف جانے والے راستے کی ایک دکان کے برآمدے میں آ کر رات کاٹنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب ان میں سب سے بوڑھے آدمی نے گلا صاف کرتے ہوئے کسی راجا کی بات شروع کی تو اس برآمدے میں لیٹے ہوئے سب کے سب آدمی ہنکاری بھرنے لگے۔ ''ہوں، پھر کیا ہوا، بابا؟''

بس پھر کیا تھا بات چل نکلی —— ''ایک بادشاہ تھا۔ اس کی سات رانیاں تھیں۔ ساتوں رانیوں کے لیے بادشاہ نے الگ الگ محل بنوائے۔ ایک لکڑی کا، دوسرا اینٹ گارے کا، تیسرا سنگِ مرمر کا، چوتھا تانبے کا، پانچواں چاندی کا، چھٹا سونے کا اور ساتویں میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے!''

''ہاں ٹھیک۔'' کسی نے ہنکاری بھری۔

''اتنا سب کچھ تھا لیکن بادشاہ کے یہاں اولاد نہیں تھی اس لیے وہ بہت دُکھی تھا۔ بادشاہ کو آخر کسی نے رائے دی کہ فلاں جنگل میں ایک پیڑ ہے، اس پر سات پھل لگے ہیں۔ اگر بادشاہ یہ پھل اپنی رانیوں کو کھلائے تو سب کے اولاد ہو جائے گی۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ اس پیڑ تک پہنچنا بڑا مشکل تھا۔ راستے میں سات دریا پڑتے تھے اور سات دیوؤں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ پیڑ کے گرد سات سانپوں کا زبردست پہرا تھا لیکن بادشاہ بھی اپنی دھن کا پکا تھا۔ وہ اپنا لاؤ لشکر لے کر چل پڑا۔''

بات ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ بوڑھے کو کھانسی کا دورہ پڑا۔ جب اس کی سانس درست ہوئی تو بوڑھا بہک گیا۔ اس نے ایک دوسری بات چلا دی۔

''بڑی پرانی بات ہے۔ کسی کاری گر نے ایسا ڈنڈا بنایا جس کے اندر ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا۔ اس طرح وہ ڈنڈا آدمیوں کی طرح ہی بولتا تھا، چلتا تھا اور کھاتا پیتا تھا۔''

''ہوں، ہوں۔'' قریب قریب سب نے مل کر ہنکاری بھری۔

پھر اچانک یہ ہوا کہ رکشوں اور تانگوں کا ریلا شور مچاتا ہوا سڑک پر سے گزرنے لگا۔ شاید اسٹیشن پر کوئی مسافر گاڑی رُکی تھی۔ اس لیے بوڑھا تھوڑی دیر رُکا۔ پھر اس نے ایک مچھلی کی بات شروع کردی۔ ''مچھلی اتنی بڑی تھی کہ اس کی پیٹھ پر باقاعدہ ایک شہر بسا ہوا تھا۔ جس پر نہ معلوم کتنے ہی مکان بنے ہوئے تھے، کتنے ہی کھیت تھے۔ سمندر میں جس طرف یہ مچھلی جاتی، اس طرف یہ بسا بسایا شہر چلا جاتا۔''

''ہوں، بالکل ٹھیک۔'' سب نے ہنکاری بھری۔

اس طرح رات نہایت آہستہ آہستہ کھسک رہی تھی۔ بوڑھا باتیں کیے جارہا تھا اور وہ سب کے سب بڑے غور سے سن رہے تھے۔ پھر کسی بات کو ادھوری ہی چھوڑ کر بوڑھے نے ایک نئی بات شروع کی۔

''ہزاروں سال پہلے کی بات ہے، ایک بادشاہ نے آدھی دنیا فتح کرلی۔''

''پھر''

''پھر اسی خوشی میں بادشاہ نے ایک بہت بڑی دعوت کی۔''

''پھر.... پھر''

''پھر کیا، اتنا کھانا بنایا گیا کہ بادشاہ کے شہر کے سارے کے سارے مکانوں میں کھانا بنا کر رکھا گیا۔''

''پھر - پھر - پھر۔''

بوڑھے نے کہنا شروع کیا، ''سب سے پہلے بادشاہ اور اس کے رشتے داروں نے کھانا کھایا۔''

''ٹھیک''

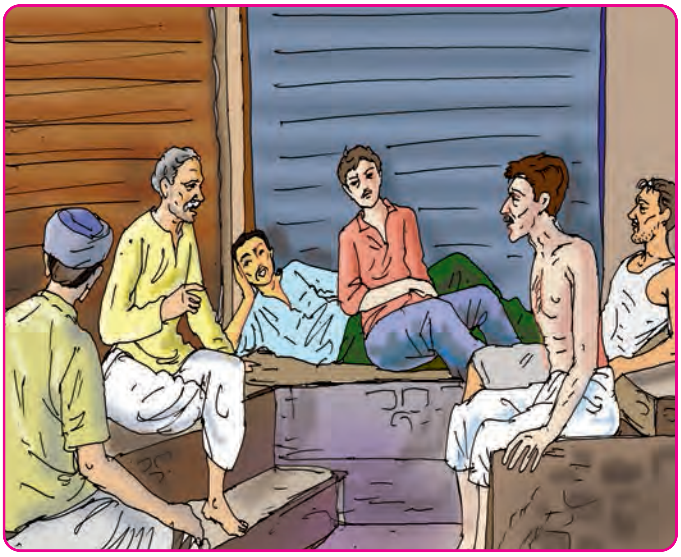

''پھر بادشاہ کے سیکڑوں امیروں اور وزیروں نے کھانا کھایا۔''

''ٹھیک''

''پھر بادشاہ کے ہزاروں فوجیوں اور چُنے ہوئے شہریوں نے کھانا کھایا۔''

''ٹھیک''

''اتنے لوگوں کے کھانا کھاتے کھاتے رات ہوگئی۔''

''ٹھیک''

''اور سب کے بعد رات کے وقت لاکھوں غریب، غربا اور فقیروں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔''

''بالکل جھوٹ .... بالکل جھوٹ'' اس برآمدے میں لیٹے ہوئے سبھی آدمی احتجاجاً اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک

آدمی بولا، ''بوڑھے! تجھے جھوٹی باتیں کرتے شرم نہیں آتی۔ اگر ہم نے رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہوتا تو اس وقت چین کی نیند نہ سو رہے ہوتے۔ رات بھر تمھاری یہ بکواس کون سنتا؟''

''ارے بھائی! ناراض کیوں ہوتے ہو۔'' بوڑھے نے سہمی ہوئی آواز میں کہا، ''میں بھی تمھاری طرح بھوکا ہوں۔ اگر مجھے ہی نیند آ رہی ہوتی تو بھلا یہ باتیں کرنے کے لیے میں جاگتا ہوتا؟ میں بھی......تو سو جاتا۔''

معنی و اشارات

انہماک	-	توجہ، دھیان، مصروفیت
ہنکاری بھرنا	-	ہاں کہنا، کہانی سنتے ہوئے سنانے والے کی بات پر ہامی بھرنا
لاؤلشکر	-	فوج اور اس کا سامان
احتجاجاً	-	مخالفت کرتے ہوئے
ہزاروں سال / لمبی رات	-	انسان بھوکا ہوتو اس کا وقت نہیں کٹتا۔ اسے نیند نہیں آتی اور رات بہت لمبی معلوم ہوتی ہے

مشق

✤ ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ عبادت میں کب آدمی کا جی نہیں لگتا؟

۲۔ رتن سنگھ کہاں پیدا ہوئے؟

۳۔ کہانی سنانے والا کیسی باتیں کر رہا تھا؟

۴۔ وہ سب کے سب رات کاٹنے کے لیے کہاں لیٹے تھے؟

۵۔ بوڑھے آدمی نے کس کی بات شروع کی؟

۶۔ بادشاہ کیوں دکھی تھا؟

۷۔ کاری گر کا بنایا ہوا ڈنڈا کیسا تھا؟

۸۔ بات کہتے کہتے بوڑھا کیوں رُکا؟

۹۔ آدھی دنیا فتح کرنے کی خوشی میں بادشاہ نے کیا کِیا؟

۱۰۔ کہانی سننے والوں کو نیند کیوں نہیں آ رہی تھی؟

✤ مختصر جواب لکھیے:

۱۔ بادشاہ کے سات محل کیسے تھے؟

۲۔ سات پھل والے پیڑ تک پہنچنا بادشاہ کے لیے کیوں دشوار تھا؟

۳۔ مچھلی پر بسا ہوا شہر کیسا تھا؟

۴۔ لیٹے ہوئے لوگوں نے بوڑھے کی باتوں کو جھوٹ کیوں کہا؟

✤ قوسین میں دیے ہوئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے:

۱۔ سننے والے اس کی بات بڑے .... سے سن رہے تھے۔ (غور / انہماک)

۲۔ دکان کے .... میں آ کر رات کاٹنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ (برآمدے / صحن)

۳۔ پیڑ کے گرد سات سانپوں کا زبردست.........تھا۔ (حلقہ / پہرا)

۴۔ پھر اچانک یہ ہوا کہ رکشوں اور تانگوں کا .... شور مچاتا ہوا سڑک پر سے گزرنے لگا۔ (ریلا / جمگھٹا)

۵۔ اس برآمدے میں لیٹے ہوئے سبھی آدمی .... اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (اخلاقاً / احتجاجاً)

بول چال

✤ درج ذیل جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کی جگہ سبق سے محاوروں کو تلاش کر کے لکھیے۔

۱۔ وہ برآمدے میں رات گزارنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔

۲۔ بادشاہ بھی مضبوط ارادے کا تھا۔

تلاش و جستجو

✤ ذیل کے جملوں میں بعض الفاظ دو دو بار استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے:

۱۔ رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔

۲۔ رات آہستہ آہستہ کھسک رہی تھی۔

۳۔ کھانا کھاتے کھاتے رات ہوگئی۔

ان جملوں میں سرکنے، کھسکنے اور کھانے کے تسلسل کو ظاہر کرنے کے لیے ان کاموں کی خصوصیت کو دو دو بار لکھا گیا ہے۔ تکرار سے آنے والے ایسے چند الفاظ منتخب کر کے جملے بنائیے۔

زورِ قلم

بھوک لگ جانے پر آپ کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے پانچ جملوں میں بیان کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ:

۱۔ نظیر اکبرآبادی کی نظم 'روٹیاں' جماعت میں سنائیے اور اپنی بیاض میں لکھیے۔

۲۔ سبق کی ادھوری کہانیوں میں سے کسی ایک کہانی کو مکمل کیجیے۔

۳۔ 'جدید ٹیکنالوجی اور ہم' عنوان کے تحت مذاکرے کا انعقاد کیجیے۔

۴۔ 'قومی سائنسی دن' کی مناسبت سے تین سائنس دانوں کی مختصر معلومات جمع کیجیے۔ نیز چارٹس، پروجیکٹ اور ماڈل کی نمائش کا اہتمام کیجیے۔

آیئے زبان سیکھیں

کہاوت/ضرب المثل

سبق کی 'پہلی بات' میں کہا گیا ہے کہ آدمی اگر بھوکا ہو تو کسی کام میں اس کا جی نہیں لگتا؛ وہ کام چاہے خدا کی عبادت کیوں نہ ہو۔ اسی بات کو مختصر میں وہاں کہا گیا ہے: بھوکے بھجن نہ ہوئے۔ جب کسی لمبی بات یا خیال کو وضاحت سے نہ کہتے ہوئے چند لفظوں/فقرے یا مختصر سے جملے میں ادا کر دیا جاتا ہے تو ایسے فقرے/جملے کو کہاوت یا ضرب المثل کہا جاتا ہے۔ بولتے یا لکھتے وقت کہاوت کے استعمال سے بات میں زور اور اثر پیدا ہوتا ہے۔ کہاوتیں یا ضرب الامثال مکمل با معنی جملے ہوتے ہیں مگر دوسرے واقعات یا عبارتوں کے ساتھ آکر ہی اپنا مفہوم واضح کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی مثال میں بتایا گیا۔ اکثر ان کہاوتوں سے متعلق کوئی نہ کوئی کہانی مشہور ہوتی ہے۔ ہمیں کہاوتوں کے استعمال کا موقع محل معلوم ہونا چاہیے۔ ذیل میں چند کہاوتوں کی وضاحت کی جارہی ہے۔

۱۔ **ابھی دلّی دور ہے:** یہ کہاوت ایسے موقع پر بولتے ہیں جب بہت سا کام باقی رہ گیا ہو یا مقصد پورا ہونے میں دیر ہو۔

۲۔ **جس کی لاٹھی اس کی بھینس:** یعنی جس کے پاس طاقت ہوتی ہے، وہی حاوی ہوتا ہے۔

۳۔ **آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا:** اگر کوئی ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو اس کی حالت پر یہ کہاوت استعمال کی جاتی ہے۔

کچھ اور مثالیں:

چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات

مان نہ مان، میں تیرا مہمان

بخشو بی بلّی، چوہا لنڈورا ہی بھلا

ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا

گڑ کھائے گلگلوں سے پرہیز

روزمرہ اور محاورے پورے جملے نہیں ہوتے مگر کہاوت اپنے آپ میں پورا جملہ ہوتی ہے۔

- اپنے استاد کی مدد سے اوپر دی گئی کہاوتوں کا مفہوم معلوم کر کے ان کے سامنے لکھیے۔

۱۷۔ ریل کا سفر

سیّد ضمیر جعفری

پہلی بات : دور دراز کے کسی شہر تک پہنچنا ہو اور وہاں جانے کے لیے بس، ریل اور ہوائی جہاز کی سہولتیں موجود ہوں تو آپ ان میں سے کون سا ذریعہ اختیار کریں گے؟ ان میں سب سے بہتر ہوائی جہاز ہے مگر اس کا کرایہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بس کے سفر میں وقت بہت لگتا ہے اور دِقتیں بھی بہت ہیں۔ اسی لیے اکثر لوگ ریل کے سفر کو ترجیح دیتے ہیں۔ کرایہ کم اور دیگر سہولتوں کے سبب ریل گاڑی میں لوگوں کی زبردست بھیڑ ہو جاتی ہے۔ ذیل کی نظم میں اسی بات کو شاعر نے مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔

جان پہچان : سیّد ضمیر جعفری یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی (پاکستان) سے گریجویشن کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔ ترقی کر کے میجر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انھوں نے سماج میں پائے جانے والے مسائل کا گہرا مشاہدہ کر کے انھیں طنز کا نشانہ بنایا اور ایک مزاح نگار شاعر کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کی۔ 'مافی الضمیر' اور 'نشاطِ طبع' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۶؍ مئی ۱۹۹۹ء کو ان کا انتقال ہوا۔

نہ گُنجائش کو دیکھ اس میں ، نہ تو مردُم شماری کر
لنگوٹی کَس ، خدا کا نام لے ، گُھس جا ، سواری کر
عبث گننے کی یہ کوشش کہ ہیں کتنے نُفوس اِس میں
کہ نکلے گا ذرا تو دیکھ ، تیرا بھی جلوس اِس میں
وہ کھڑکی سے کسی نے مورچہ بندوں کو للکارا
پھر اپنے سر کا گٹھّر دوسروں کے سر پہ دے مارا
یہ سارے کھیت کے گنّے کٹا لایا ہے ڈبّے میں
وہ گھر کی چارپائی تک اُٹھا لایا ہے ڈبّے میں

وہ اِک رسّی میں پورا لاؤ لشکر باندھ لائے ہیں
یہ بستر میں ہزاروں تیر و نشتر باندھ لائے ہیں
صراحی سے گھڑا ، روٹی سے دسترخوان لڑتا ہے
مسافر خود نہیں لڑتا مگر سامان لڑتا ہے
وہ حضرت جو عوام النّاس میں گُھل مِل کے بیٹھے ہیں
رضائی میں وہ یوں بیٹھے ہیں گویا سِل کے بیٹھے ہیں
وہ آ پہنچا کوئی چمٹا بجا کر مانگنے والا
بہت مقبول ہے لوگوں میں گا کر مانگنے والا
بہم یوں گفتگو میں آشنائی ہوتی جاتی ہے
لڑائی ہوتی جاتی ہے ، صفائی ہوتی جاتی ہے

خلاصۂ کلام : اس نظم میں شاعر ایک مسافر سے مخاطب ہے۔ اسے ریل کے سفر سے متعلق ہدایات دیتے ہوئے ریل کے عجیب وغریب حالات پر طنزیہ انداز میں تبصرہ کر رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ریل کے ڈبے میں کتنے لوگ ہیں، انھیں گننے کی کوشش بے کار ہے۔ بھیڑ کا خیال کیے بغیر بس خدا کا نام لے کر ریل میں سوار ہوجانا چاہیے۔ بھیڑ نے جلوس کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ریل میں سوار مسافروں میں سے کسی مسافر نے آپس میں لڑنے والوں کو للکارا تو کسی نے اپنا بوجھ دوسرے مسافر کے سر پر دے مارا۔ مسافر ریل کے ڈبے میں عجیب وغریب چیزیں مثلاً چارپائی، گنّے، صراحی، گھڑا وغیرہ سامان لے کر داخل ہوگئے ہیں۔ مزید منظر کشی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ کوئی اپنی رضائی میں اس طرح دبک کر بیٹھا ہے جیسے اسے وہیں سی دیا گیا ہو۔ اسی بھیڑ میں ایک بہت ہی مقبول فقیر چمٹا بجا کر اور گا کر بھیک مانگ رہا ہے۔ سفر کے دوران ان تمام مسافروں کا آپس میں تعارف ہوتا ہے، نوک جھونک بھی ہوتی ہے اور آخر میں صلح صفائی بھی ہوجاتی ہے۔ شاعر نے اسی کا نقشہ بڑی خوبصورتی سے کھینچا ہے۔

معنی واشارات

مردُم شماری	لوگوں کو گننا	تیر ونشتر	مراد ایسا سامان جس سے زخمی ہونے کا ڈر ہو
عبث	بے کار، بے وجہ	بہم	آپس میں
نفوس	نفس کی جمع، لوگ	آشنائی	جان پہچان
مورچہ بند	لڑائی کے لیے تیار لوگ	عوام النّاس	عام لوگ

مشق

✤ ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ لوگ ریل گاڑی سے سفر کرنا کیوں پسند کرتے ہیں؟

۲۔ شاعر نے کس حیثیت سے مقبولیت حاصل کی؟

۳۔ پہلے شعر میں شاعر مسافر کو کیا مشورہ دے رہا ہے؟

۴۔ اس نظم کے دوسرے شعر میں 'جلوس نکلنے' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۵۔ ایک مسافر گھر کی کیا چیز ریل کے ڈبّے میں لے آیا تھا؟

۶۔ رضائی میں بیٹھے ہوئے مسافروں کا حال کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

۷۔ کون سا مانگنے والا لوگوں میں مقبول ہے؟

تلاش و جستجو

✤ نظم کی مدد سے صحیح جواب کی نشاندہی کیجیے :

۱۔ شاعر کے مطابق شمار کرنا فضول ہے :
(الف) ریل کے ڈبّے
(ب) ریل کی سیٹیں
(ج) نفوس
(د) سامان

۲۔ ریل کے سفر میں روٹی سے :
(الف) سالن لڑتا ہے
(ب) پانی لڑتا ہے
(ج) پلیٹ لڑتی ہے
(د) دسترخوان لڑتا ہے

۳۔ رضائی میں مسافر ایسے بیٹھا ہے جیسے :

(الف) گھر میں بیٹھا ہو
(ب) سِل کے بیٹھا ہو
(ج) دبک کے بیٹھا ہو
(د) ڈر کے بیٹھا ہو

۴۔ کوئی مسافر ریل میں کھیت سے :

(الف) سارے گنے کاٹ لایا ہے
(ب) آدھی فصل کاٹ لایا ہے
(ج) تہائی جوار کاٹ لایا ہے
(د) چوتھائی باجرا کاٹ لایا ہے

۵۔ بھیڑ میں صراحی سے :

(الف) پانی لڑتا ہے
(ب) گلاس لڑتا ہے
(ج) پیالہ لڑتا ہے
(د) گھڑا لڑتا ہے

۶۔ آپسی گفتگو سے :

(الف) لڑائی ہوتی ہے
(ب) آشنائی ہوتی ہے
(ج) بحث ہوتی ہے
(د) تلخی ہوتی ہے

۷۔ ایک مسافر نے کھڑکی سے للکارا :

(الف) مسافروں کو
(ب) مردوں کو
(ج) مورچہ بندوں کو
(د) ڈرائیور کو

۸۔ لڑائی ہونے سے :

(الف) صفائی ہوتی جاتی ہے
(ب) کمائی ہوتی جاتی ہے
(ج) ہاتھا پائی ہوتی جاتی ہے
(د) پریشانی ہوتی جاتی ہے

✤ نظم کے مطابق صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے :

۱۔ مانگنے والا ڈھولکی بجا رہا تھا۔
۲۔ ایک مسافر نے اپنا بیگ دوسرے کے سر پر دے مارا۔
۳۔ ایک مسافر رسّی میں پورا لاؤ لشکر باندھ لایا تھا۔
۴۔ ریل میں سوار ہونے سے پہلے مسافروں کی مردم شماری کر لینا چاہیے۔
۵۔ گا کر بھیک مانگنے والا لوگوں میں بہت مقبول ہے۔

زورِ قلم

ریل کے ذریعے کیے گئے اپنے کسی سفر کا احوال پندرہ سطروں میں لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

اپنے ملک میں چلنے والی چند ریل گاڑیوں کے نام لکھیے۔

اضافی معلومات

جب انسان نے پڑھنا سیکھا تب ہی سے علم کی دولت مختلف شکلوں میں آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ پہلے لوگوں کا حافظہ قابلِ تعریف ہوا کرتا تھا۔ وہ جو کچھ سنتے ان کے دل و دماغ میں محفوظ ہو جاتا۔ پھر وہ یہی علم سینہ بہ سینہ آنے والی نسلوں کو منتقل کرنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علم کو محفوظ کرنے کے طریقے بھی ترقی پاتے گئے۔ کتابیں پہلے پتوں پر لکھی جاتی تھیں۔ پھر کاغذ کی ایجاد نے چھوٹی بڑی کتابوں کی صورت میں علم کے خزانے کے ڈھیر لگا دیے۔

سائنس نے مزید ترقی کی اور انٹرنیٹ ایجاد ہوا تو اسے معلومات کے تبادلے اور علم جمع کرنے کے ذریعے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ لوگوں نے انٹرنیٹ سے فائدہ اُٹھانے کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے۔ اب انٹرنیٹ کو معلومات کا خزانہ تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ کتابوں کی بہ نسبت لوگوں کا انٹرنیٹ پر انحصار بڑھ گیا ہے۔ انٹرنیٹ پر تقریباً ایک ہزار کروڑ ایسی ویب سائٹس موجود ہیں

جو عام انسان کی پہنچ میں ہیں جن میں ایک اندازے کے مطابق تعلیمی مواد رکھنے والی ویب سائٹس دس فیصد ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض ویب سائٹ کی اوسط عمر پانچ سات دن سے زیادہ نہیں ہوتی۔ انٹرنیٹ پر گوگل ایک سرچ سائٹ ہے جس کو سب سے بڑا سرچ انجن تصور کیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ پر کوئی بھی شخص ذاتی ویب سائٹ بنا کر اس پر اپنی مرضی کے مطابق معلومات فراہم کرسکتا ہے اور اس معلومات کو جانچنے یا پرکھنے کا کوئی مستقل پیمانہ موجود نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ انٹرنیٹ بالکل ہی بے کار شے ہے۔ انٹرنیٹ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آپ کو مطلوبہ معلومات تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور تازہ ترین معلومات فوراً دستیاب ہوجاتی ہے۔ انٹرنیٹ پر چوبیس گھنٹے معلومات دستیاب ہے۔

اساتذہ درج بالا معلومات کی طرح مواصلات کی جدید ٹکنالوجی سے متعلق مزید معلومات طلبہ کو فراہم کریں۔

عبارت آموزی

درج ذیل نظم پڑھ کر نیچے دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیے۔

پھر چلی ہے ریل اسٹیشن سے لہراتی ہوئی
نیم شب کی خاموشی میں زیرِ لب گاتی ہوئی

ڈگمگاتی ، جھومتی ، سیٹی بجاتی ، کھیلتی
وادی و کہسار کی ٹھنڈی ہوا کھاتی ہوئی

تیز جھونکوں میں وہ چھم چھم کا سرورِ دلنشیں
آندھیوں میں مینہ برسنے کی صدا آتی ہوئی

رات کی تاریکیوں میں جھلملاتی کانپتی
پٹریوں پر دُور تک سیماب چھلکاتی ہوئی

پیش کرتی بیچ ندی میں چراغاں کا سماں
ساحلوں پر ریت کے ذرّوں کو چمکاتی ہوئی

تیزیِ رفتار کے سکّے جماتی جابجا
دشت و در میں زندگی کی لہر دوڑاتی ہوئی

سوالات :

۱۔ ریل اسٹیشن سے کس طرح جارہی ہے؟
۲۔ آندھیوں میں کس کی صدا آرہی ہے؟
۳۔ رات کی تاریکی میں انجن کی روشنی سے پٹریاں کیسی نظر آرہی ہیں؟
۴۔ ندی میں کیا منظر نظر آتا ہے؟
۵۔ ریل کس میں زندگی کی لہر دوڑاتی ہے؟

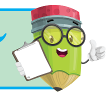

آئیے! کر کے دیکھیں۔

مناسب لفظ کی مدد سے کہاوت مکمل کیجیے :

۱۔ .... تلے اندھیرا
(چراغ / درخت / دیوار)

۲۔ حلوائی کی .... پر دادا جی کی فاتحہ
(قبر / دکان / میّت)

۳۔ ایک انار .... بیمار
(سو / پچاس / ہزار)

۴۔ بوڑھی گھوڑی .... لگام
(سفید / کالی / لال)

۵۔ ایک انڈا وہ بھی ....
(ٹھنڈا / گندہ / پھوٹا)

۶۔ بد اچھا .... بُرا
(پرنام / بدنام / خوش نام)

۷۔ جتنے منہ اتنی ....
(راتیں / لاتیں / باتیں)

۸۔ خدا گنجے کو .... نہیں دیتا
(صابن / ناخن / جامن)

۹۔ خس کم جہاں ....
(صاف / پاک / خاک)

۱۸۔ قطب جنوبی کا مہم جُو

ادارہ

پہلی بات : آپ جغرافیہ میں قطب شمالی اور قطب جنوبی کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ کرۂ زمین کے محور کے یہ دونوں سرے بالترتیب شمال اور جنوب میں واقع ہیں۔ قطب جنوبی دنیا کے سات برّ اعظموں میں سب سے دور، غیر آباد اور برف سے ڈھکے ہوئے برّ اعظم انٹارکٹکا پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ چین اور بھارت کے رقبے کے برابر ہے۔ یہاں سورج کی کرنیں نہیں پہنچتیں اس لیے سال کے چھ مہینے یہاں رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ یہاں کی برفانی ندیوں کا برف ساری دنیا کے ۹۰ ر فیصد برف کے برابر ہے۔ غیر آباد ہونے کے باوجود دنیا کے مختلف ملکوں کے مہم جُو اس برّ اعظم کو سر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ بھارت نے بھی ڈاکٹر سیّد ظہور قاسم کی قیادت میں اپنی مہم جُو ٹیم قطب جنوبی پر بھیجی تھی۔

ہندوستان کے ماہرِ بحریات اور قطب جنوبی کے مہم جُو سیّد ظہور قاسم ضلع الٰہ آباد کے رکسواڑہ گاؤں میں ۳۱ ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد ضمیر قاسم یہاں کے زمین دار تھے۔ وہ کئی باغات کے مالک تھے۔ اُردو، فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ ظہور قاسم کی والدہ فاخرہ بیگم نہایت وضع دار خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے بچوں کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور انھیں اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ ظہور قاسم اپنے تمام بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔

ظہور قاسم کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ پنڈت جگدمبا پرشاد سے انھوں نے ریاضی، جغرافیہ اور تاریخ سیکھی۔ دینیات کے علاوہ اُردو فارسی کی تعلیم انھوں نے مولوی ابراہیم سے حاصل کی۔ جماعت ششم سے انھیں اسکول میں داخل کیا گیا۔ مجیدیہ اسلامیہ کالج سے میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج الٰہ آباد اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انھوں نے سائنس میں گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد ظہور قاسم نے ۱۹۵۱ء میں علم الحیوانات میں ایم۔ ایس سی کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اس کامیابی پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انھیں سونے کے تمغے سے نوازا اور شعبۂ علم الحیوانات میں لیکچرر کا عہدہ پیش کیا۔ ظہور قاسم کی شدید خواہش تھی کہ مَیں سمندری علوم میں ڈگری حاصل کروں۔ لہٰذا ۱۹۵۳ء میں وہ برطانیہ گئے اور وہاں کے کالج سے بحریات میں پی ایچ۔ ڈی اور ۱۹۶۸ء میں ڈی۔ ایس سی کی ڈگریاں حاصل کیں۔

ظہور قاسم کو تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیلوں سے بھی دلچسپی تھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران انھوں نے ہاکی اور فٹ بال کے کھیلوں میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ نیزہ اور ڈِسکس پھینکنے میں بھی اپنا کمال دِکھاتے اور دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ علی گڑھ میں اسی شوق کی بنیاد پر انھیں جنرل اسپورٹس کیپٹن اور بعد میں جمنازیم کلب اور گیمز کمیٹی کا سکریٹری بنایا گیا تھا۔

بحریات میں پی ایچ۔ ڈی کرنے کے بعد جب ظہور قاسم کوچی کے بحرِ ہند میں تحقیقی کام کرنے والے عالمی ادارے سے جڑے تو انھوں نے کیرالا اور لکش دویپ کے سمندروں کی ابتدائی پیداوار اور کوچین کے ماہی پروری کے ادارے میں مچھلیوں کی حیاتیات کے مختلف گوشوں پر تحقیقی کام کیا۔ اس تحقیق کی وجہ سے تمل ناڈو میں مچھلیوں کی صنعت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ حکومت نے ان خدمات کے صلے میں ظہور قاسم کو ۱۹۷۴ء میں پدم شری کے خطاب سے نوازا۔ وہ اگرچہ کئی سائنسی اداروں میں کام کرتے رہے

مگر جب انھوں نے گوا کے قومی ادارۂ بحریات (.N.I.O) کی ذمہ داریوں کو سنبھالا تو ان کا راست تعلّق سمندری تحقیق سے ہو گیا۔ ان کے کاموں کی وجہ سے این۔ آئی۔ او ساری دنیا میں مشہور ہو گیا۔ یہاں ظہور قاسم نے تیرہ سمندری مہمّات کے ذریعے بحرِ عرب اور بحیرۂ بنگال کی سمندری پیداوار کا پتا لگایا اور کثیر دھاتی لچھّوں کے ذخیرے دریافت کیے جن کی مقدار اربوں ٹن تک پہنچتی ہے۔ ان لچھّوں میں مینگنیز، لوہا، تانبا، نکل اور کوبالٹ پایا جاتا ہے۔

قطب جنوبی کی مہم ہندوستان کی سائنسی ترقی کی تاریخ میں بڑی اہم مانی جاتی ہے۔ وزیرِ اعظم اندرا گاندھی کی شدید خواہش تھی کہ جاپان، فرانس، برطانیہ اور امریکہ کی طرح بھارت بھی قطب جنوبی کو سَر کرے۔ حکومت نے اس مہم کی قیادت ظہور قاسم کے سپرد کی۔ چنانچہ مختلف فنون کے اکّیس ماہرین کا یہ دستہ قطب جنوبی کی مہم پر ۶ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو گوا کی مارموگاؤ بندرگاہ سے روانہ ہوا اور بڑی دقّتوں کا سامنا کرتے ہوئے ۹ر جنوری ۱۹۸۲ء کو ہندوستانی وقت کے مطابق رات تین بجے قطب جنوبی پر پہنچا۔

قطب جنوبی کی سمت ظہور قاسم کے دستے کا ابتدائی سفر تو آرام دہ تھا مگر جب ان ماہرین کا جہاز گرجنے والا چالیسا اور غضبناک پچاسا کے قریب پہنچا تو ان کی دشواریاں بڑھ گئیں۔ تیز و تند طوفانی ہواؤں اور پہاڑ جیسی بلند سمندری لہروں میں جب ان کا جہاز ڈگمگا جاتا تو انھیں اپنی موت قریب نظر آتی۔ اس خطّے میں پہنچ کر جب دن ایک ماہ کے برابر ہوا تو ان کی پریشانیاں اور بڑھ گئیں۔ ناشتے، دوپہر اور رات کے کھانے میں وقت کی تمیز نہیں رہ گئی تھی۔ یہ لوگ جب نیند آتی، سو جاتے اور جب بھوک لگتی، کھانا کھا لیتے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے ان لوگوں میں چڑچڑاپن آ گیا تھا، ان کے چہروں پر مایوسی چھائی رہتی۔ کبھی کبھی ان کا جہاز برف کے تودوں میں پھنس جاتا یا ان سے ٹکرا جاتا تو ان لوگوں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ ظہور قاسم ایسے حالات میں اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھاتے اور انھیں ہنسانے کی کوشش کرتے۔ وہ کہتے تھے، ''موت تو سڑک حادثے میں بھی ہو سکتی ہے، نیند میں بھی آ سکتی ہے لیکن کسی مہم کے دوران ہونے والی موت سے بہتر کوئی موت نہیں۔ اگر ہم اس دوران ہلاک ہو جاتے ہیں تو ملک کے کروڑوں لوگ ہمارا سوگ منائیں گے۔''

قطب جنوبی پہنچتے ہی مہم جوؤں نے مل کر وہاں ایک بیس کیمپ تعمیر کیا اور بھارت کا پرچم لہرایا۔ وہاں انھوں نے ایک خودکار موسمی اسٹیشن بھی قائم کیا۔ ان دونوں مقامات کو 'گنگوتری' اور 'میتری' نام دیے گئے۔ قطب جنوبی کو سر کرنے والوں کی یہ پوری ٹیم اکّیس ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے ۲۱ر فروری ۱۹۸۲ء کو مارموگاؤ بندرگاہ واپس لوٹ آئی۔ یہ مہم ستہتّر دنوں میں مکمل ہوئی۔ اس کی کامیابی پر ہمارے ڈاک کے محکمے نے ۹ر جنوری ۱۹۸۳ء کو ایک یادگار ٹکٹ جاری کیا تھا۔ وزیرِ اعظم اندرا گاندھی نے ظہور قاسم اور ان کی ٹیم کو مبارکباد دی اور اس کامیابی پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔

قطب جنوبی کی مہم سر کرنے کے بعد بھی ظہور قاسم مختلف اداروں سے وابستہ رہے۔ ۱۹۸۹ء میں انھیں جامعہ ملّیہ اسلامیہ، دہلی کا وائس چانسلر بنایا گیا۔ اس عہدے پر فائز ہوتے ہی انھوں نے جامعہ کی ترقّی کے بہت سارے کام کیے۔ سائنس کے شعبے کی ترقّی کو یقینی بنایا۔ جامعہ کی قدیم عمارتوں کی مرمّت اور تزئین پر توجہ دی، نئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ مختلف تعلیمی شعبے قائم کیے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیلوں کی طرف بھی انھوں نے خصوصی توجّہ دی اور کرکٹ اور باسکٹ بال جیسے کھیلوں میں جامعہ کا نام روشن کرنے کے لیے کڑی محنت کی۔ دنیا بھر میں ان کی خدمات کو سراہا گیا۔ حکومتِ ہند نے انھیں پدم بھوشن کے خطاب سے بھی نوازا۔ تحقیق کے ساتھ انھوں نے تصنیف و تالیف پر بھی توجّہ دی۔ بارہ کتابیں اور دو سو پچاس تحقیقی مقالات ان کا تصنیفی سرمایہ ہے۔ بحریات اور ماحولیات پر کام

کرتے کرتے ظہور قاسم اٹھاسی برس کی عمر میں ۲۰؍ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

معنی و اشارات

بحریات	-	سمندروں کا علم
مہم جُو	-	خطرناک جگہوں کی کھوج کرنے والا
وضع دار	-	خاص ڈھنگ سے زندگی گزارنے والا
جِمنازیم	-	جسمانی ورزش کی تربیت
ماہی پروری	-	مچھلیوں کی پرورش، مچھلی پالن
NIO	-	نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوشنوگرافی (قومی ادارۂ بحریات National Institute of Oceanography)
گرجنے والا چالیسا	-	۴۰° جنوبی عرض البلد
غضبناک پچاس	-	۵۰° جنوبی عرض البلد قطب جنوبی کے وہ خطے جہاں ہوائیں طوفانی رفتار سے چلتی ہیں۔
سوگ منانا	-	کسی کی موت پر غم کا اظہار کرنا
بیس کیمپ	-	ابتدائی پڑاؤ
سر کرنا	-	فتح کرنا
تزئین	-	سجاوٹ
تصنیف	-	کتاب لکھنا
تالیف	-	کتاب تیار کرنا
تحقیقی مقالہ	-	کسی موضوع پر تلاش اور جستجو کے بعد لکھا ہوا مضمون
جہانِ فانی	-	فنا ہونے والی دنیا
کوچ کرنا	-	چلے جانا/ مُراد انتقال کر جانا

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے:

۱۔ قطب جنوبی کسے کہتے ہیں؟
۲۔ قطب جنوبی کس براعظم پر واقع ہے؟
۳۔ سیّد ظہور قاسم کہاں پیدا ہوئے؟
۴۔ سیّد ضمیر قاسم کون تھے؟
۵۔ ظہور قاسم کی والدہ کا نام کیا تھا؟
۶۔ پنڈت جگد مبا پرشاد سے ظہور قاسم نے کیا سیکھا؟
۷۔ مولوی ابراہیم ظہور قاسم کو کیا پڑھاتے تھے؟
۸۔ ظہور قاسم کو کن کھیلوں میں کمال حاصل تھا؟

مختصر جواب لکھیے:

۱۔ ظہور قاسم نے کن فنون میں ڈگریاں حاصل کیں؟
۲۔ کوچی کے سمندری تحقیقی ادارے میں ظہور قاسم نے کون سی اہم تحقیقات کیں؟
۳۔ ظہور قاسم کو پدم شری کا خطاب کیوں دیا گیا؟
۴۔ گوا کے قومی ادارۂ بحریات میں ظہور قاسم نے کون سے نمایاں کام انجام دیے؟
۵۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں ظہور قاسم نے کون سے اہم کام کیے؟

مفصل جواب لکھیے:

۱۔ قطب جنوبی کی جغرافیائی حالت بیان کیجیے۔
۲۔ گرجنے والا چالیسا اور غضبناک پچاس پر مہم جوؤں کو کن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا؟
۳۔ قطب جنوبی پہنچ کر مہم جو دستے نے کیا کِیا؟
۴۔ قطب جنوبی کے سفر کی روداد بیان کیجیے۔

✤ خالی جگہ پُر کیجیے:

۱۔ سیّد ضمیر قاسم رکسواڑہ کے .... تھے۔
۲۔ ظہور قاسم نے ۱۹۵۱ء میں .... میں ایم۔ایس سی کا امتحان پاس کیا۔
۳۔ ظہور قاسم کی شدید خواہش تھی کہ میں ....علوم میں ڈگری حاصل کروں۔
۴۔ ان ....میں مینگنیز، لوہا، تانبا، نِکل اور کوبالٹ پایا جاتا ہے۔
۵۔ کرکٹ اور باسکٹ بال جیسے کھیلوں میں .... کا نام روشن کرنے کے لیے کڑی محنت کی۔
۶۔ یہ دستہ قطب جنوبی کی مہم پر ۶/ دسمبر کو گوا کی ....بندرگاہ سے روانہ ہوا۔

✤ وجوہات بیان کیجیے:

۱۔ سیّد ظہور قاسم ۱۹۵۳ء میں برطانیہ گئے۔
۲۔ علی گڑھ یونیورسٹی نے سیّد ظہور قاسم کو سونے کے تمغے سے نوازا۔
۳۔ ناشتے، دوپہر اور رات کے کھانے میں وقت کی تمیز نہیں رہ گئی تھی۔

✤ جوڑیاں لگائیے:

الف	ب
۱۔ لکش دویپ	خودکار موسمی اسٹیشن
۲۔ کوچین	قومی ادارۂ بحریات
۳۔ گوا	کثیر دھاتی لچھوں کے ذخیرے
۴۔ کوچی	ماہی پروری کا ادارہ
۵۔ بحرِ عرب	سمندروں کی ابتدائی پیداوار
۶۔ میتری	بحرِ ہند میں تحقیق کرنے والا ادارہ

بول چال

✤ درج ذیل الفاظ/محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

مہم جو، کسر نہ چھوڑنا، کمال دِکھانا، حیرت میں ڈالنا، یقینی بنانا، تزئین، نام روشن کرنا، موت قریب نظر آنا، خوف طاری ہونا، کوچ کر جانا

لفظوں کا کھیل

لفظ 'مہارت' سے 'مہ' اور 'رات' جیسے بامعنی الفاظ بنتے ہیں۔ آپ لفظ 'مہمات' سے درج ذیل معنی والے الفاظ بنائیے۔

۱۔ .... – سارا کا سارا
۲۔ .... – چاند
۳۔ .... – بہادری
۴۔ .... – رونا دھونا
۵۔ .... – ماں کی محبت

زورِ قلم

اپنے استاد کے ساتھ کسی تاریخی مقام کی سیر کیجیے اور جو کچھ آپ وہاں دیکھیں، اسے پندرہ جملوں میں لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ:

سندباد جہازی کی مہماتی کہانیاں اپنی اسکول کی لائبریری سے حاصل کرکے پڑھیے۔

عبارت آموزی

پنگوِن ایک آبی پرندہ ہے۔ عام طور پر یہ قطب جنوبی میں براعظم انٹارکٹکا میں پایا جاتا ہے۔ اس کا کشتی نما جسم پروں سے ڈھکا ہوتا ہے۔ اپنے بھاری جسم کی وجہ سے پنگوِن اُڑ نہیں سکتا۔ اس کا رنگ پیٹھ پر مٹیالا اور پیٹ پر سفید ہوتا ہے۔ سر بڑا، پنکھ چوڑے اور پیر چھوٹے ہوتے ہیں۔

پنگوِن اپنے جھلّی دار پروں کو پتواروں کی طرح استعمال کرکے پانی میں آسانی سے تیر سکتا ہے۔ اس کی چونچ میں حلق کی جانب مڑے ہوئے تیز کانٹے ہوتے ہیں جو غذا نگلنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس کی غذا آبی حیوانات ہیں۔

پنگوِن پانی میں بیس منٹ تک رہ سکتا ہے۔ یہ ۲۵ میل فی گھنٹے کی رفتار سے تیرتا اور پانی میں چھ منٹ تک سانس روک سکتا ہے۔ برف پر پھسلتے ہوئے پنگوِن اپنے پروں سے اپنے آپ کو

آ گے ڈھکیلتا ہے۔ یہ اپنی آدھی زندگی زمین پر اور آدھی سمندر میں گزارتا ہے۔

سب سے بڑے قد کا پنگوِن ایمپرر کہلاتا ہے۔ اس کا قد تقریباً چار فٹ اور وزن پینتیس کلوگرام ہوتا ہے جبکہ سب سے چھوٹے پنگوِن کا قد صرف چالیس سینٹی میٹر اور وزن ایک کلو ہوتا ہے۔ اسے 'لٹل بلو' کہتے ہیں۔

پنگوِن کی کچھ قسمیں معتدل اور گرم علاقوں میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، نیوزی لینڈ وغیرہ میں۔

سوالات:

۱۔ پنگوِن کی جسمانی ساخت بیان کیجیے۔

۲۔ پنگوِن پانی میں آسانی سے کیوں تیر سکتے ہیں؟

۳۔ پنگوِن کی دو قسموں کے بارے میں معلومات دیجیے۔

آئیے زبان سیکھیں

زمانۂ ماضی

بولتے یا لکھتے وقت جب ہم کسی کام کے کرنے یا ہونے کا ذکر کرتے ہیں تو اس کام کو قواعد میں 'فعل' کہا جاتا ہے۔ آپ نے یہ بات تو سنی ہوگی کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اسی طرح قواعد میں آنے والے کام یا فعل کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ جملے کے فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام یا واقعہ گزرے ہوئے وقت (زمانۂ ماضی) میں ہوا یا موجودہ وقت (زمانۂ حال) میں ہو رہا ہے یا آنے والے وقت (زمانۂ مستقبل) میں ہوگا۔

(الف) اب ذیل کے جملوں پر غور کیجیے:

۱۔ آپؐ کے ایک صحابی کنویں کے مالک سے ملے۔

۲۔ بھتیجے کے نام انھوں نے ساری جائداد لکھ دی۔

۳۔ تمام قوموں کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔

ان جملوں کے خط کشیدہ افعال سے پتا چلتا ہے کہ کام گزرے ہوئے وقت یعنی زمانۂ ماضی میں ہوا۔ یہ تمام جملے 'زمانۂ ماضی مطلق' کی مثالیں ہیں۔

(ب) اب ان مثالوں کو پڑھتے ہوئے ان کے زمانے پر توجہ دیجیے۔

۱۔ حضرت محمدؐ نے اپنی ایک بیٹی بی بی رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا تھا۔

۲۔ باجے والے، دھوبی، چمار بھی کھا چکے تھے۔

۳۔ وہ کمھار گیدی تو ساری عمر یاد رکھے گا کہ کس سے واسطہ پڑا تھا۔

۴۔ جب سے میں اس جزیرے میں آیا تھا، انڈے نہیں کھائے تھے۔

خط کشیدہ افعال سے ظاہر ہے کہ کام گزرے ہوئے وقت میں بہت پہلے پورا ہو چکا تھا۔ جب جملے کے فعل سے ایسا زمانہ ظاہر ہو تو اس زمانے کو 'زمانۂ ماضی بعید' کہتے ہیں۔

(ج) ذیل کے جملوں میں افعال کے زمانے پر غور کیجیے۔

۱۔ بوڑھی کاکی بیٹھی ہوئی کھانا کھا رہی تھیں۔

۲۔ میں اس آواز کو اپنا وہم سمجھ رہا تھا۔

۳۔ دادی کی مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔

۴۔ کہانی سنانے والا بالکل اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا تھا۔

ان جملوں کے خط کشیدہ افعال سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کام گزرے ہوئے وقت میں جاری تھا۔ ایسے فعل کے وقت کو 'زمانۂ ماضی استمراری' کہتے ہیں۔

- ذیل کے جملوں کو زمانۂ ماضی کی تینوں قسموں میں الگ کیجیے۔

۱۔ ان کے شوہر کو مرے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا تھا۔

۲۔ مہمانوں نے کھانا کھایا۔

۳۔ روپا آنگن میں پڑی سو رہی تھی۔

۴۔ وہ کاکی کی کوٹھری کی طرف چلی۔

۵۔ روپا بیٹھی یہ روحانی نظارہ دیکھ رہی تھی۔

۶۔ بدھ رام اور رؤپا دونوں ہی انھیں سزا دینے کا تصفیہ کر چکے تھے۔

۱۹۔ خاکِ وطن

جاں نثار اختؔر

پہلی بات : ہندوستان کے مشہور خلاباز راکیش شرما جب ایک خلائی مشن کے تحت خلا میں پہنچے تو اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ان سے بات چیت کی اور پوچھا کہ وہاں سے ہمارا ملک کیسا دِکھائی دے رہا ہے تو انھوں نے علامہ اقبالؔ کے ترانے کا مشہور مصرعہ پڑھا:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ہم اپنے ملک سے نہایت محبت کرتے ہیں۔ ہمیں اس کی ہر شے سے محبت ہے۔ شاعر نے اس نظم میں اپنے وطن کی مختلف چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے فخر کا اظہار کیا ہے۔

جان پہچان : جاں نثار اختؔر ۸؍فروری ۱۹۱۴ء کو گوالیار میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مضطرؔ خیر آبادی اُردو کے مشہور شاعر تھے۔ اختؔر نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ وہ گوالیار کے وکٹوریا کالج میں اُردو کے استاد مقرر ہوئے لیکن آزادی کے بعد ممبئی چلے آئے۔ انھوں نے نظمیں بھی کہیں اور غزلیں بھی۔ ان کی نظموں کی تعداد زیادہ ہے۔ 'سلاسل، نذرِ بتاں، جاوداں، خاکِ دل اور گھر آنگن' ان کی چند مشہور کتابوں کے نام ہیں۔ 'خاکِ دل' پر انھیں سوویت دیش نہرو ایوارڈ دیا گیا تھا۔ انھوں نے چند فلموں کے لیے گیت بھی لکھے۔ جاں نثار اختؔر ۱۸؍اگست ۱۹۷۶ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

محبت ہے خاکِ وطن سے ہمیں
ہمیں اپنی صبحوں سے، شاموں سے پیار
ہمیں پیار اپنی عمارات سے
سلامت رہیں اپنے دشت و دمن
نگاہیں ہمالہ کی اونچی رہیں
رہے پاک گنگوتری کی پھبن
نہاتا رہے نرم کرنوں میں تاج
ایلورا کے بُت رقص کرتے رہیں
رہے یہ دیوالی کی جگ مگ بہار
رہے آسماں پر دمکتا ہلال

محبت ہے اپنے چمن سے ہمیں
ہمیں اپنے شہروں کے ناموں سے پیار
ہمیں پیار اپنی روایات سے
رہے جگمگاتا ہمارا گگن
سدا چاند تاروں کو چھوتی رہیں
مچلتی رہے زلفِ گنگ و جمن
رہے تا قیامت محبت کی لاج
حسیں غار تاروں سے بھرتے رہیں
منڈیروں پہ جلتے دِیوں کی قطار
رہے عید کا مسکراتا جمال

گلے سے گلے لوگ ملتے رہیں
دلوں کے جواں پھول کھلتے رہیں

خلاصۂ کلام : ہر انسان کو اپنے وطن سے محبت ہوتی ہے۔جس طرح ہم اپنے گھر اور اپنے خاندان کے ہر فرد سے محبت کرتے ہیں،اسی طرح ہمیں اپنے ملک سے اور اس کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے۔ہم اپنے ملک،اس کی روایات،اس کی ندیوں، پہاڑوں،مشہور عمارتوں اور اس کے قابلِ فخر ورثے سے محبت رکھتے ہیں۔ہمیں اپنے ملک کے تہواروں سے بھی محبت ہے۔ہم اپنے ملک اور اس کے ورثے کی حفاظت،لوگوں کے اتحاد اور ان کی خوشی کی دعا مانگتے ہیں۔

معنی و اشارات

دشت	-	جنگل
دمن	-	پہاڑ
گگن	-	آسمان
گنگوتری	-	گنگا کا منبع
پھبن	-	دلکشی
گنگ وجمن	-	ہندوستان کی دو مشہور ندیاں گنگا اور جمنا

مشق

✤ **ایک جملے میں جواب لکھیے :**

۱۔ شاعر نے اپنے ملک کی کن چیزوں سے پیار کا اظہار کیا ہے؟

۲۔ شاعر نے اپنے ملک کی کن چیزوں کی سلامتی کی دعا مانگی ہے؟

۳۔ شاعر نے ہمالہ کے بارے میں کیا دعا کی ہے؟

۴۔ 'حسیں غار' سے شاعر کی مراد کون سے غار ہیں؟

۵۔ اس نظم میں کن تہواروں کا ذکر کیا گیا ہے؟

✤ **مختصر جواب لکھیے :**

۱۔ اس نظم میں ہندوستان کے کن مقامات کا ذکر کیا گیا ہے؟

۲۔ شاعر نے ہندوستانی تہواروں کے لیے کن الفاظ میں دعا کی ہے؟

تلاش وجستجو

- اس نظم سے 'عید' کے متعلق مصرعوں کو تلاش کرکے لکھیے۔
- سوویت دیش نہرو ایوارڈ کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔

وسعت میرے بیاں کی

✤ **ان اشعار کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے :**

نگاہیں ہمالہ کی اونچی رہیں
سدا چاند تاروں کو چھوتی رہیں
رہے پاک گنگوتری کی پھبن
مچلتی رہے زلفِ گنگ و جمن

زورِ قلم

'میرا پیارا وطن' عنوان پر پندرہ سطریں لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

جاں نثار اختر کی کوئی اور وطنی نظم تلاش کرکے اپنے ساتھیوں کو سنائیے۔

لفظوں کا کھیل

✤ **ذیل کے الفاظ مکمل کیجیے :**

مثال - دشت ودمن

۱۔ گنگ و.............. ۲۔ سرو..............

۳۔ جان و.............. ۴۔ رنج و..............

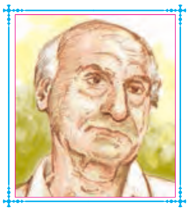

۲۰۔ ایک مکڑا اور مکھّی

میرزا ادیب

پہلی بات : آپ نے کوّے اور لومڑی کی کہانی سنی ہوگی۔ ایک کوا پیڑ پر بیٹھا تھا جس کی چونچ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ ایک لومڑی نے کوّے کو دیکھا تو اس کے جی میں آئی کہ روٹی اس سے لے لوں۔ لومڑی نے کوّے کی خوشامد کرتے ہوئے کہا تمھاری آواز تو بڑی سریلی ہے، ذرا اپنی میٹھی آواز میں کوئی گیت تو سناؤ۔ اپنی تعریف سن کر کوّا بہت خوش ہوا۔ گانے کے لیے اس نے جوں ہی منہ کھولا، روٹی کا ٹکڑا نیچے گر گیا۔ لومڑی روٹی کا ٹکڑا لے کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

ہمارے سماج میں بھی لوگ اس شخص کی خوب تعریف کرتے ہیں جس سے اپنا کام نکالنا ہو۔ اس مقصد کے لیے خوشامد کی جاتی ہے اور جھوٹی تعریف بھی لیکن عام طور پر خوشامد اور خوشامدی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

ذیل کا ڈراما دراصل علامہ اقبالؔ کی مشہور نظم 'ایک مکڑا اور مکھّی' کے اشعار کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔ نظم میں مکڑے کی خالہ کا ذکر نہیں ہے مگر ڈرامائی ضرورت کے لیے مصنف نے اسے شامل کر دیا ہے۔

اس ڈرامے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے خوشامد کرنے والوں سے دور رہنا چاہیے کیونکہ ان سے اکثر نقصان ہی اُٹھانا پڑتا ہے۔

جان پہچان : اس ڈرامے کے مصنف میرزا ادیب اُردو کے مشہور ڈراما نگار تھے۔ وہ لاہور میں ۴/ اپریل ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دلاور علی تھا۔ ان کی تعلیم لاہور میں ہوئی۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا۔ پھر وہ افسانے اور ڈرامے لکھنے لگے۔ وہ مشہور رسالے 'ادبِ لطیف' کے مدیر بھی رہے۔ جب وہ ریڈیو میں ملازم تھے تو ان کے کئی ڈرامے نشر ہوئے۔ 'آنسو اور ستارے، لہو اور قالین، فصیلِ شب، شیشے کی دیوار' وغیرہ ان کے ڈراموں کے مجموعے ہیں۔ میرزا ادیب کا انتقال ۱۹۹۹ء میں ہوا۔

- کردار -

مکڑا (لڑکا)، خالہ مکڑی (بوڑھی عورت)، مکھّی (لڑکی)

(منظر : اسٹیج پر سامنے کی دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سیڑھی، اس کے اوپر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی پردہ لٹک رہا ہے۔ یہ مکڑے کا گھر ہے۔ مکڑا سیڑھی سے نیچے اُترتا ہوا دِکھائی دیتا ہے۔ وہ گہرے خاکی رنگ کا چست لباس پہنے ہوئے ہے۔ اس کے ہاتھوں میں دستانے ہیں اور دستانوں میں اُنگلیاں مسلسل حرکت کر رہی ہیں۔ جب مکڑا فرش پر آ جاتا ہے تو بائیں طرف سے اس کی بوڑھی خالہ مکڑی داخل ہوتی ہے)

خالہ مکڑی : اے میرے پیارے بھانجے!

مکڑا : ارے خالہ جان! آج اِدھر کہاں سے؟

خالہ مکڑی : کیا مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئے؟

مکڑا : بہت خوش ہوں خالہ جان! بہت خوش ہوں۔ فرمائیے مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

خالہ مکڑی : دو دن سے بھوکی ہوں۔ میرا گھر ایسی جگہ ہے جہاں دور دور تک کوئی مکھّی نظر نہیں آتی۔ آج بھوک سے بے تاب ہو کر تمھارے پاس آئی ہوں۔ مجھ بُڑھیا کو تو بس مکھّی کی ایک ٹانگ ہی کافی ہے۔ تھوڑا سا سر بھی دے دو تو پیارے

بھانجے! یہ تمھاری مہربانی ہوگی۔

مکڑا : (کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے) خالہ جان! یہاں جب مکّھی ہی نہیں تو پھر مکّھی کی ٹانگ اور سر کہاں!

خالہ مکڑی : بھانجے! مجھ بُڑھیا کو کیوں بے وقوف بناتے ہو۔ تمھارا گھر تو ایسی جگہ ہے کہ اللہ جھوٹ نہ بلوائے، روز درجن بھر موٹی تازی مکّھیاں آ جاتی ہوں گی۔

مکڑا : خالہ جان! وہ پرانے وقتوں کی مکّھیاں تھیں جو چپ چاپ ہمارے گھر میں آ جاتی تھیں۔ نئے زمانے کی مکّھیاں بڑی چالاک ہوگئی ہیں۔ وہ مکڑوں کے گھروں میں جھانکتی تک نہیں۔ اِٹھلاتی، بھنبھناتی دور سے گزر جاتی ہیں۔

خالہ مکڑی : یہ نہ کہو پیارے بھانجے! مکّھیاں تو ہمیشہ بے وقوف ہی ہوتی ہیں۔ تم اپنی خالہ کو بھوکوں مارنا چاہتے ہو تو یہ اور بات ہے۔

مکڑا : خالہ! آپ سے کیا پردہ۔ میں بھی دو دن سے بھوکا ہوں۔

خالہ مکڑی : ارے، تم بھی بھوکے ہو؟

مکڑا : ہاں خالہ جان۔

خالہ مکڑی : ہائے! کیسا برا زمانہ آ گیا ہے! مکّھیاں اِتراتی پھر رہی ہیں اور مکڑے بے چارے بھوکے بیٹھے ہیں۔ بھانجے، کیا دو دن سے ایک مکّھی بھی اِدھر سے نہیں گزری؟

مکڑا : خالہ جان! ابھی ابھی ایک مکّھی اِدھر سے گزری تھی۔

خالہ مکڑی : تو تم نے اسے اپنے گھر میں آنے کی دعوت نہیں دی؟

مکڑا : وہ تو اِدھر رُکی ہی نہیں۔ گیت گاتی ہوئی چلی گئی۔

خالہ مکڑی : تم نے اُس سے کچھ کہا نہیں؟

مکڑا : نہیں۔

خالہ مکڑی : (ماتھے پر ہاتھ مار کر) کیسا احمق بھانجا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے۔ ارے، جب وہ آئی تھی تو اُس سے کہتے، اے بی بی رانی! روز اِدھر سے گزرتی ہو، کبھی میری کٹیا کو بھی رونق بخشو، وغیرہ وغیرہ۔

مکڑا : اچھا اب کہوں گا۔

خالہ مکڑی : (ایک طرف کان لگا کر) ارے بھانجے! یہ ''بھِن بھِن'' کی آواز کیسی ہے؟

مکڑا : شاید وہی گانے والی مکّھی ہے۔

خالہ مکڑی : تو میں چُھپ جاتی ہوں۔ دیکھو بھانجے! عقل مندی سے کام لینا۔ ہوشیاری سے بات کرنا۔ مجال ہے جو وہ نہ پھنسے۔

(خالہ مکڑی بائیں دروازے کا پردہ ہٹا کر نکل جاتی ہے۔ مکّھی آتی ہے۔ چھوٹے قد و قامت کی لڑکی، شلوار اور قمیص پہنے ہوئے۔ سیاہ رنگ کا دوپٹا جو سر سے ہو کر کمر تک جاتا ہے اور کمر کے اردگرد لپیٹ دیا گیا ہے۔ سر پر کالی ٹوپی، ہاتھ ہمیشہ ملتی رہتی ہے۔ ناچتی کودتی ہوئی دائیں دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ مکڑا اسے دیکھتا ہے اور دونوں بانہیں اوپر اُٹھا کر اس سے مخاطب ہوتا ہے)

مکڑا : میں نے کہا بی بی رانی! ذرا سنو تو۔

مکھی : (بڑی تمکنت سے) کیا ہے؟ کیوں دو گز کی بانہیں اُٹھائے میری راہ میں کھڑے ہو گئے ہو؟

مکڑا : بی بی رانی! اس راہ سے تمھارا ہر روز گزر ہوتا ہے لیکن میری کُٹیا کی کبھی قسمت نہیں جاگی۔ تم نے کبھی یہاں بھُولے سے بھی قدم نہیں رکھا۔

مکھی : کیوں رکھوں! میرا تمھارا کیا واسطہ ہے؟

مکڑا : غیروں سے نہ ملو تو کوئی بات نہیں ہے مگر اپنوں سے یوں کھنچ کے رہنا، کیا ٹھیک ہے؟

مکھی : تم میرے اپنے ہو؟

مکڑا : اور کیا.....! آ ؤ، آ ؤ..... میرے گھر میں آ ؤ۔ اس میں میری عزّت ہے۔

مکھی : مجھے تمھاری عزّت وزّت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، سنا تم نے مکڑے میاں!

مکڑا : کیوں نہیں ہے؟ کیا میں اتنا بُرا ہوں؟

مکھی : جاؤ میاں۔ میری راہ کھوٹی نہ کرو۔ میری سہیلی انار کے موٹے موٹے دانے لیے بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہے۔

مکڑا : ٹھیک ہے! وہ ذرا زیادہ انتظار کر لے گی۔ دیکھو، میرا گھر تمھارا منتظر ہے۔ تم آنا چاہو تو وہ سامنے سیڑھی ہے۔

مکھی : میں جانتی ہوں جو تمھاری سیڑھی پر چڑھا، پھر کبھی نہیں اُترا۔

(مکھی 'بھیں بھیں' کرتی ہوئی اور متواتر ہاتھ ملتی ہوئی بائیں دروازے سے نکل جاتی ہے۔ خالہ مکڑی آتی ہے)

مکڑا : خالہ جان! وہ تو اپنی سہیلی کے گھر انار کھانے چلی گئی۔

خالہ مکڑی : کھانے دو۔ کھا کر اور موٹی ہو جائے گی۔ آخر لوٹ کر اِدھر ہی سے گزرے گی نا!

مکڑا : وہ کیسے؟

خالہ مکڑی : تم نے اپنا گھر سجا رکھا ہے نا؟

مکڑا : بس یہ ریشمی پردہ ہے۔

خالہ مکڑی : اب وہ ادھر آئے تو اُس سے اپنے گھر کی دل کھول کر تعریف کرنا۔ کہنا، اِس میں یہ ہے، وہ ہے۔ دور سے اُڑ کر آئی ہو، تھک گئی ہو، ذرا آرام کر لو، وغیرہ وغیرہ۔ سمجھ گئے نا؟

مکڑا : سمجھ گیا۔

خالہ مکڑی : بھانجے! بزرگوں کی نصیحتوں پر عمل کرو، کبھی گھاٹے میں نہیں رہوگے۔ اب میں جاتی ہوں۔ وہ آ رہی ہوگی۔

(خالہ مکڑی پردے کے پیچھے غائب ہو جاتی ہے۔ مکّھی آتی ہے)

مکڑا : بی بی مکّھی!

مکھی : جی مکڑے میاں!

مکڑا : انار مزیدار ہوگا؟

مکھی : جی ہاں، بہت مزیدار تھا! (طنزیہ انداز سے کہتی ہے) فرمائیے، کیا کہنا چاہتے ہیں حضور؟

مکڑا : بی بی مکّھی! میرے گھر تم کو آنا چاہیے۔ اگرچہ یہ دیکھنے میں باہر سے چھوٹی سی کُٹیا نظر آتا ہے مگر اس کے اندر تمھیں

دِکھانے کی بہت ساری چیزیں ہیں۔ دروازوں پر باریک پردے لٹکے ہوئے ہیں اور دیواروں کو میں نے آئینوں سے سجا رکھا ہے۔

مکھی : مکڑے صاحب!

مکڑا : جی مکّھی صاحبہ!

مکھی : ہو تم بڑے چالاک!

مکڑا : جی نہیں۔ میں تو تمھارا قدرداں ہوں اور بس۔

مکھی : تم نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔ فریبی کہیں کے!

مکڑا : کیوں ناراض ہوتی ہو؟ میں نے تمھارے بھلے ہی کی بات کی ہے۔ نہ جانے کہاں سے اُڑ کر آ رہی ہو۔ تھک گئی ہوں گی۔ میرے گھر میں نرم بچھونے ہیں۔ تھوڑا آرام کر لو۔

مکھی : ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے۔ ان پر ایک بار کوئی سو جائے تو پھر کبھی اُٹھ نہیں سکتا۔

(مکھی دائیں دروازے سے نکل جاتی ہے۔ خالہ مکڑی بائیں دروازے سے اندر آتی ہے)

مکڑا : خالہ! میں اب آپ کی کوئی نصیحت نہیں مانوں گا۔

خالہ مکڑی : وہ کیوں پیارے بھانجے؟

مکڑا : آپ نے جو کچھ کہا تھا، میں نے اس سے کہہ دیا۔ پر وہ اتنی چالاک ہے کہ اس پر میری کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوا۔

خالہ مکڑی : نا اُمید کیوں ہوتے ہو میاں بھانجے! ابھی ایک آخری ہتھیار باقی ہے جس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

مکڑا : اور وہ ہتھیار کیا ہے؟

خالہ مکڑی : وہ ہتھیار ہے خوشامد۔ اس سے جہاں میں سو کام نکلتے ہیں۔ دنیا میں جسے دیکھو وہی خوشامد کا بندہ ہے۔ یہ ہتھیار آزما کر دیکھو، ناکام نہیں رہو گے۔

مکڑا : خالہ جان! وہ کمبخت بڑی چالاک ہے۔

خالہ مکڑی : ہوتی پھرے! خوشامد سے پتھر دل بھی پگھل جاتے ہیں۔ اس کا دل بھی ضرور پسیجے گا۔ (بھِن بھِن کی آواز آتی ہے) وہ آ گئی! خوب خوب خوشامد کرنا۔

(خالہ مکڑی بائیں دروازے کے پردے کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ مکّھی آتی ہے)

مکڑا : خوش آمدید!

مکھی : شکریہ!

مکڑا : کیا پھر سہیلی نے بلایا ہے؟

مکھی : نہیں۔ اب کل جاؤں گی۔ زیادہ کھا لیا ہے۔ ٹہل رہی ہوں۔

مکڑا : ٹہلنے سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ واہ کیا ترکیب ہے۔ تم بڑی عقل مند ہو!

مکھی : سو تو میں ہوں۔

مکڑا : اللہ نے تمھیں بڑا رتبہ بخشا ہے، جو بھی تم کو ایک نظر دیکھتا ہے، اسے تم سے محبّت ہو جاتی ہے۔

مکھی : سچ کہتے ہو؟

مکڑا : اور کیا میں جھوٹ بولوں گا؟ تمھارے حسن کی تو تعریف نہیں ہوسکتی۔ تمھاری آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں ہیں اور تمھارا سر اللہ نے کلغی سے سجایا ہے۔ واہ واہ! سبحان اللہ! ہر شے بے حد پیاری ہے، بہت ہی خوب صورت!

مکھی : اچھّا!

مکڑا : جی ہاں۔ یہ حُسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی اور پھر تم اُڑتے ہوئے گاتی ہو تو اتنی اچھی لگتی ہو کہ... کہ میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں جن سے تمھاری تعریف کر سکوں۔

مکھی : تم تو بڑے اچھے مکڑے ہو۔ اب تم سے مجھے کوئی کھٹکا نہیں۔ کسی کا دل توڑنا اچھّا نہیں ہوتا۔ میں تمھاری مہمان ضرور بنوں گی۔

مکڑا : تشریف لائیے۔ میں نے راہ میں آنکھیں بچھا رکھی ہیں۔

(مکڑی سیڑھی کی طرف جاتی ہے اور اوپر چڑھنے لگتی ہے۔ مکڑا اس کے پیچھے پیچھے آتا اور خالہ کو اشارہ کرتا ہے۔ خالہ مکڑی بھی اُدھر کا رخ کرتی ہے۔ آواز آتی ہے)

بھوکے تھے کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکّھی کو اڑایا

(پردہ گرتا ہے)

معنی و اشارات

بے تاب ہونا	بے چین ہونا	راہ کھوٹی کرنا	راستہ روکنا
جھانکنا	دیکھنا	فریبی	دھوکے باز
احمق	بے وقوف	یہ ہتھیار آزما کر دیکھو	مراد یہ کام کر کے دیکھو
کٹیا	جھونپڑی	پتھر دل بھی پگھل جاتے ہیں	سخت دل بھی نرم پڑ جاتے ہیں
مجال ہے جو وہ نہ پھنسے	ہر حال میں اسے پھنسنا ہے	دل پسیجنا	رحم آنا
تمکنت	غرور	راہ میں آنکھیں بچھانا	عزّت کے ساتھ استقبال کرنا
قسمت جاگنا	حالات کا بہتر ہو جانا		
کھنچ کر رہنا	دور رہنا، واسطہ نہ رکھنا		

مشق

✤ ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ خالہ مکڑی کتنے دن سے بھوکی تھی؟
۲۔ مکڑے کا گھر کہاں تھا؟
۳۔ مکڑی نے کھانے کے لیے مکڑے سے کیا مانگا؟
۴۔ مکڑی کی نظر میں مکّھیاں کیسی ہیں؟
۵۔ آخر میں مکّھی کو پکڑنے کے لیے خالہ مکڑی نے کیا مشورہ دیا؟
۶۔ مکّھی مکڑے کے جال میں کب پھنسی؟

✤ مختصر جواب لکھیے :

۱۔ مکّھی کی راہ میں کھڑے ہوکر مکڑے نے کیا کہا؟
۲۔ پہلی مرتبہ مکڑے کے بلانے پر مکّھی اس کے گھر کیوں نہیں گئی؟
۳۔ مکڑے کی کٹیا کیسی تھی؟
۴۔ مکّھی کی تعریف میں مکڑے نے کیا کہا؟
۵۔ خوشامد کے متعلق خالہ مکڑی نے کیا کہا؟

✤ خالی جگہ پُر کیجیے :

۱۔ مجھ بُڑھیا کو تو بس مکّھی کی ایک ....ہی کافی ہے۔
۲۔ نئے زمانے کی مکّھیاں بڑی..........ہوگئی ہیں۔
۳۔ مکّھیاں .... پھر رہی ہیں۔
۴۔ اس راہ سے تمھارا ہر روز .... ہوتا ہے۔
۵۔ میری سہیلی ....کے موٹے موٹے دانے لیے بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہے۔
۶۔ میرے گھر میں .... بچھونے ہیں۔
۷۔ دنیا میں جسے دیکھو وہی خوشامد کا .... ہے۔

✤ کس نے کس سے کہا؟

۱۔ ”کیا مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئے؟“
۲۔ ”کہا تو کچھ بھی نہیں تھا۔“
۳۔ ”میرا تمھارا واسطہ کیا ہے؟“
۴۔ ”انار مزیدار ہوگا۔“
۵۔ ”سچ کہتے ہو؟“

بول چال

✤ مناسب جوڑیاں لگائیے :

الف	ب
مہربانی ہوگی	کتنا خوبصورت گھر بنایا ہے آپ نے!
اللہ جھوٹ نہ بلوائے	اس جلسۂ تقسیمِ انعامات میں آپ کا استقبال ہے۔
کیا مجال	تجھے بھی کوئی نوکری ضرور ملے گی۔
آپ ہی کو مبارک ہو	جو وہ اپنے مالک کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرے۔
نا اُمید کیوں ہوتا ہے؟	اگر آپ میری یہ درخواست قبول فرمائیں۔
سبحان اللہ!	مرنے کے بعد فقیر کے تھیلے سے لاکھوں روپے نکلے۔
ماشاءاللہ!	خدا نے کیسے خوبصورت جانور اس دنیا میں پیدا کیے ہیں۔
خوش آمدید!	آپ ہی کے تعاون سے یہ کام پورا ہوا۔
شکریہ	یہ عیش و آرام، میں اپنی محنت کی کمائی میں خوش ہوں۔

سرگرمی/منصوبہ :

اپنی لائبریری سے علّامہ اقبال کا کلیات حاصل کیجیے اور نظم ’مکڑا اور مکھی‘ کو اپنی بیاض میں خوش خط لکھیے۔

اضافی معلومات

مکڑی:

مکڑی کے جالے ہمیں جا بجا نظر آتے ہیں۔ عام طور پر کیڑوں کو چھ پیر ہوتے ہیں مگر مکڑی کو آٹھ پیر ہوتے ہیں۔ ان پر روئیں ہوتے ہیں۔ اس کے پنجے دندانے دار ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ آسانی سے جال پر چل سکتی ہے۔ اگر اس کا پیر ٹوٹ جائے تو زخم مندمل ہوتے ہی دوسرا پیر نکل آتا ہے۔ یہ دنیا میں انٹارکٹکا کے سوا ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ مکڑی کی ہزاروں قسمیں ہیں۔

مکڑی کا جسم دو حصّوں میں تقسیم ہوتا ہے؛ بر صدر اور پیٹ۔

مکڑی کی غذائی نالی بہت تنگ ہوتی ہے اس لیے وہ ٹھوس غذا کا استعمال نہیں کرتی۔ وہ ٹھوس غذا کو ہضمی رس کے ذریعے مائع میں تبدیل کرنے یا منہ میں موجود خاص ساختوں کے ذریعے غذا کو بہت باریک کر کے استعمال کرتی ہے۔ مکڑی کو پر نہیں ہوتے اور اس کی بصارت زیادہ تیز نہیں ہوتی۔ مکڑی کے جال کے سیدھے تار خشک ریشمی دھاگے کی مانند ہوتے ہیں اور دائروی ریشے لیس دار ہوتے ہیں تاکہ کیڑے مکوڑے ان سے چپک جائیں۔

عام طور پر مکڑی کا دورِ حیات دو سال ہوتا ہے لیکن چند قسم کی مکڑیاں پچیس سال بھی زندہ رہتی ہیں۔ مکڑیوں کا زہر انسان کے لیے خطرناک ہوتا ہے۔

مکّھی:

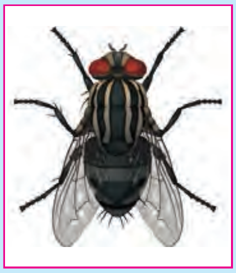

مکّھی بہت خطرناک کیڑا ہے۔

مکّھیاں عام طور پر گرما اور برسات میں زیادہ نظر آتی ہیں۔ اس کا رنگ ہلکا بھورا ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں مرکّب ہوتی ہیں یعنی آنکھ میں کئی عدسے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ہر طرف دیکھ سکتی ہے۔

مکّھی کے منہ میں ایک چھوٹی سونڈ ہوتی ہے جس کا آخری سرا چوڑا اور اسفنج کی طرح ہوتا ہے۔ ایک پتلی نلی منہ سے نکل کر اسفنجی حصّے کے بیچوں بیچ کھلتی ہے۔ اس نلی سے مکھی لعاب خارج کرتی اور غذا کو مائع میں تبدیل کر کے چوس لیتی ہے۔

مکھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں۔ اس میں موجود جراثیم ان کے پیروں اور پروں کے روؤں سے چپک جاتے ہیں۔ جب یہ کھانے پینے کی چیزوں پر بیٹھتی ہیں تو جراثیم غذا میں شامل ہوجاتے ہیں۔ گھریلو مکّھی کے ذریعے ہیضہ، ٹائفائیڈ، پیچش جیسی بیماریاں پھیلتی ہیں اس لیے کھانے پینے کی چیزوں کو ہمیشہ ڈھانک کر رکھنا چاہیے۔

مکّھیوں کا دورِ حیات صرف اٹھائیس دن ہوتا ہے لیکن ان میں افزائشِ نسل بہت تیز ہوتی ہے۔

درج بالا معلومات پڑھ کر اس سے متعلق پانچ سوال بنائیے۔

مثال: عام طور پر کیڑوں کے کتنے پیر ہوتے ہیں؟

لفظوں کا کھیل

✤ روزانہ نظر آنے والے پانچ کیڑوں کے نام تلاش کر کے لکھیے:

ح	م	ا	د	ر	ث
ص	ی	ک	ب	ج	س
م	ک	و	ڑ	ا	ت
ط	گ	و	ڑ	ا	ت
ٹ	ڈ	ڈ	ا	ٹ	ل
د	ی	م	ک	ش	ی

زمانۂ حال

گزرے ہوئے وقت یعنی زمانۂ ماضی میں ہونے والے افعال (کام) کی تین قسموں سے آپ واقف ہوچکے ہیں۔ یہاں جاری وقت یعنی زمانۂ حال میں ہونے والے افعال کی قسموں کے تعلق سے کچھ باتیں کی جارہی ہیں۔

(الف) ذیل کے جملوں کو پڑھیے۔

۱۔ تھوڑی سی بارش ٹھنڈک کی جگہ اور بھی حبس پیدا کردیتی ہے۔

۲۔ بچپن کی سبزی جوانی کا سرخ لباس پہنتی ہے۔

۳۔ مرچ کے پیٹ میں بہت سے بیج ہوتے ہیں۔

۴۔ میں بھی تمھاری طرح سوتا ہوں۔

ان مثالوں کے خط کشیدہ افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا وقت جاری یعنی حال کا زمانہ ہے۔ ایسے افعال کے زمانے کو 'زمانۂ حال مطلق' کہتے ہیں۔ حال مطلق کے زمانے سے اکثر کسی واقعے یا عادت کے واقع ہونے کے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔

(ب) ذیل کے جملوں میں ان کے افعال کے زمانے پر غور کیجیے۔

۱۔ بوڑھی کاکی پتلوں پر سے پوریوں کے ٹکڑے اُٹھا کر کھارہی ہیں۔

۲۔ آزاد نے دیکھا کہ خوجی جھومتا جھامتا چلا آرہا ہے اور بڑبڑاتا جارہا ہے۔

۳۔ کوئی میرا نام لے کر پکار رہا ہے۔

۴۔ علماءِ کرام انگریزوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے آرہے ہیں۔

۵۔ اس نظم میں شاعر یہ کہہ رہا ہے۔

خط کشیدہ افعال سے معلوم ہورہا ہے کہ ان کا وقت موجودہ زمانے میں جاری ہے۔ ایسے افعال کے زمانے کو 'زمانۂ حال جاری' کہتے ہیں۔

(ج) اب ذیل کی مثالوں میں ان کے افعال کے زمانے پر غور کیجیے۔

۱۔ یہ بات مشہور ہوئی کہ مکے کے لوگ مسلمان ہوگئے ہیں۔

۲۔ آج بدھ رام کے لڑکے سکھ رام کا تلک آیا ہے۔

۳۔ ''کاکی اُٹھو۔ میں پوریاں لائی ہوں۔''

۴۔ ''کیا تمھاری اماں نے دی ہیں؟''

۵۔ یہ شگوفہ خود ان ہی کا چھوڑا ہوا ہے۔

مثالوں کے خط کشیدہ افعال سے ظاہر ہے کہ ان کا وقت جاری زمانے میں ابھی ابھی پورا ہوا ہے۔ ایسے افعال کے زمانے کو 'زمانۂ حال مکمل' کہا جاتا ہے۔

- نیچے دیے گئے جملوں کو زمانۂ حال کی تینوں قسموں میں الگ کرکے لکھیے۔

۱۔ اللہ نے جو خلعت مجھے پہنائی ہے اس کو میں اپنے ہاتھ سے نہ اُتاروں گا۔

۲۔ خموشی چھارہی ہے، شوروغل کم ہوتا جاتا ہے۔

۳۔ مجھے دوسو روپے سال کی آمدنی ہورہی ہے۔

۴۔ مجھ سے بڑا بھاری گناہ ہوا ہے۔

۵۔ کوئی بید گھماتا ہے، کوئی لکڑی ہلاتا ہے۔

۶۔ میں ابھی معلوم کرکے آتا ہوں۔

۲۱۔ رباعیات

پہلی بات : اب تک آپ نے بہت سی نظمیں پڑھی ہیں۔ نظم میں مصرعوں اور اشعار کی تعداد کم زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً آپ نے نظم ’خاکِ وطن‘ پڑھی ہے۔ اس میں گیارہ اشعار یا ۲۲ مصرعے ہیں۔ اب جو چھوٹی سی نظم آپ پڑھنے والے ہیں، اسے ’رباعی‘ کہتے ہیں کیونکہ یہ چار مصرعوں کی نظم ہوتی ہے۔ رباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ رباعی کہنے کے لیے ایک مخصوص وزن مقرر ہے۔ عام طور پر اس میں اخلاقی اور حکیمانہ مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔

میر انیسؔ

جان پہچان : میر ببر علی انیسؔ ۱۸۰۱ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ میر خلیق کے بیٹے اور میر حسنؔ کے پوتے تھے۔ شاعری میں وہ اپنے والد کے شاگرد تھے۔ انیسؔ نے مرثیہ گوئی میں کمال حاصل کیا۔ ساتھ ہی رباعی کی صنف میں بھی نام کمایا۔ ۱۸۷۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق ، وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیسؔ
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

اکبرؔ الہ آبادی

جان پہچان : سیّد اکبر حسین اکبرؔ الہ آبادی ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم ان کے والد کی نگرانی میں ہوئی۔ انھوں نے وکالت کا امتحان پاس کیا اور ترقی پا کر جج ہوئے۔ اکبر کی شاعری طنز و مزاح کی عمدہ مثال ہے۔ اسی کے ساتھ اس میں اخلاقی اور اصلاحی مقاصد بھی سامنے آتے ہیں۔ ان کی نظموں کے ساتھ رباعیوں میں بھی یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعالِ مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبرؔ نے سنا ہے اہلِ غیرت سے یہی
جینا ذِلت سے ہو تو مرنا اچھا

یاسؔ یگانہ چنگیزی

جان پہچان : یاسؔ یگانہ چنگیزی کا اصل نام مرزا واجد حسین تھا۔ وہ ۱۸۸۳ء کو عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دارالترجمہ، حیدرآباد میں بھی ملازمت کی۔ ’چراغِ سخن‘، ’آیاتِ وجدانی‘، ’غالب شکنی‘ ان کی شعری و نثری تصانیف ہیں۔ یاسؔ کے کلام میں لطیف جذبات کا اظہار بھی طنزیہ انداز میں ہوا ہے۔ ان کا انتقال ۹ رفروری ۱۹۵۶ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

کس کام کا دل جو ہو خبر سے خالی
منہ میں ہے زباں مگر اثر سے خالی
ان عقل کے اندھوں پہ خدا رحم کرے
آنکھیں دو دو مگر نظر سے خالی

امجؔد حیدرآبادی

جان پہچان : امجؔد حیدرآبادی مشہور اور اہم رباعی گو شاعر تھے۔ وہ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی رباعیوں میں اخلاقی مضامین کی کثرت ہوتی ہے۔ امجؔد نے 'جمالِ امجدی' کے نام سے اپنی سوانح بھی لکھی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں انھوں نے وفات پائی۔

ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے
بے فکری سے سونا بھی بڑی دولت ہے
افلاس نے سخت موت آساں کردی
دولت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے

معنی و اشارات

موجِ حوادث	–	حادثوں کا سلسلہ
بیڑا	–	بہت سی کشتیوں کا مجموعہ
بکھیڑا	–	اُلجھن، گڑبڑ
افعالِ مضر	–	بُرے کام
اہلِ غیرت	–	شرم والے
عقل کے اندھے	–	بے عقل
افلاس	–	غریبی

مشق

✤ ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ رباعی میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟
۲۔ انیسؔ کس کے شاگرد تھے؟
۳۔ زندگی کے سارے ہنگامے کب ختم ہوگئے؟
۴۔ اکبؔر نے کون سا امتحان پاس کیا؟
۵۔ اکبؔر نے اہلِ غیرت سے کیا سنا ہے؟
۶۔ یاسؔ یگانہ نے کہاں ملازمت کی؟
۷۔ یاسؔ یگانہ نے عقل کے اندھے کن لوگوں کو کہا ہے؟
۸۔ امجؔد کی سوانح کا کیا نام ہے؟
۹۔ دولت سے محرومی کو بھی شاعر نے دولت کیوں کہا ہے؟

✤ خالی جگہیں پُر کیجیے :

۱۔ کشتی وہ ہوئی غرق وہ .... نہ رہا
۲۔ جینا .... سے ہو تو مرنا اچھا
۳۔ منہ میں ہے .... مگر اثر سے خالی
۴۔ .... سے سونا بھی بڑی دولت ہے

عکس - برعکس

✤ رباعیات سے درج ذیل الفاظ کی ضد تلاش کیجیے :

موت ، رونا ، مفید ، عزّت ، پانا ، نرم ، مشکل ، بھرا ہوا ، ظلم

بول چال

✤ محاورے مکمل کیجیے :

۱۔ خطرے کی .... بجنا۔ (گھنٹی / بانسری)
۲۔ اُڑتی ....کے پر گننا۔ (مینا / چڑیا)
۳۔ ....کو چراغ دِکھانا۔ (سورج / چاند)

لفظوں کا کھیل

'خال' کے ہم آواز پانچ الفاظ لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

اوپر دیے ہوئے شعرا کے علاوہ دیگر شعرا کی چند رباعیات اپنی بیاض میں نقل کیجیے۔

۲۲۔ مچھلیوں کا شکار

شفیق الرحمٰن

پہلی بات : بچوں کی خیالی دنیا بڑی عجیب ہوتی ہے۔ جن انوکھی چیزوں کے بارے میں سوچتے ہیں، وہ سب چیزیں انھیں دِکھائی دیتی ہیں، جیسے پریاں، دیو، بھوت، شہزادے وغیرہ۔ بچے جب آپس میں ملتے ہیں تو وہ اپنی خیالی دنیا کا تذکرہ بڑے مزے لے لے کر کرتے ہیں اور ہر بات کو سچ سمجھتے ہیں۔ کبھی اپنی خیالی چیزوں کو سچ ثابت کرنے کے لیے وہ ایسا کچھ کر جاتے ہیں کہ انھیں نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ ذیل کے مزیدار سبق میں بچے اس جھیل سے مچھلیاں پکڑ لانے کو اپنا کارنامہ بتاتے ہیں جس میں مچھلیاں پائی ہی نہیں جاتیں۔

مچھلیاں حاصل کرنے کے لیے مچھیرے ندیوں، تالابوں اور سمندر کا رُخ کرتے ہیں۔ مچھلیوں کا شکار جہاں انسانوں کی ایک ضرورت ہے وہیں ایک دلچسپ مشغلہ بھی ہے۔ اس مضمون میں مچھلیوں کے شکار کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : اُردو کے ممتاز مزاح نگار شفیق الرحمٰن ۹ر نومبر ۱۹۲۰ء کو روہتک کے ایک مقام کلانور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۴۲ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور سے ایم۔ بی۔ ایس کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ میڈیکل امتحان میں نمایاں کامیابی کی وجہ سے انھیں انڈین آرمی میڈیکل سروس میں لے لیا گیا۔ پاکستان بن گیا تو وہ پاکستانی فوج کا حصہ بن گئے اور میجر جنرل کے عہدے تک ترقی کی۔

شفیق الرحمٰن کے مزاح کا انداز بہت ہلکا پھلکا اور نہایت شائستہ ہے۔ ان کی تحریریں عوام میں بہت مقبول ہیں۔ ان کے مضامین کے مجموعوں میں 'شگوفے، مدوجزر، حماقتیں، مزید حماقتیں' اور 'دجلہ' زیادہ مشہور ہوئے۔ ۱۹ر مارچ ۲۰۰۰ء کو راول پنڈی میں ان کا انتقال ہوا۔

ہم ہر اتوار جھیل کے کنارے گزارتے۔ بڑے اہتمام سے مچھلیاں پکڑنے کا پروگرام بنتا۔ مچھلیاں بھوننے کا سامان بھی ساتھ ہوتا۔ ہمارے مچھلیاں پکڑنے کے طریقے بھی صحیح تھے لیکن ہم نے کبھی وہاں ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی۔ انجینئر صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ اس جھیل میں مچھلیاں بالکل نہیں ہیں۔ جھیل کے پانی میں کوئی خرابی تھی۔ اس میں معدنیات کے کچھ ایسے اجزا شامل تھے جن کی وجہ سے مچھلیاں زندہ نہیں رہ سکتی تھیں لیکن ہمیں اس پر بالکل یقین نہ آتا۔ ایسی خوشنما جھیل میں تو مچھلیاں دُور دُور سے آ کر رہیں گی۔

ہم اُداس ہوتے یا ہمیں دھمکایا جاتا تو ہم سیدھے جھیل کا رُخ کرتے۔ گھاس پر بیٹھ جاتے۔ بادشاہوں، پریوں اور بحری ڈاکوؤں کی کہانیاں پڑھتے۔ ذرا سی دیر میں ہم بھول جاتے کہ اس خوبصورت گوشے کے علاوہ دنیا کے اور حصّے بھی ہیں جہاں اسکول ہیں۔ اسکول کا کام ہے، ماسٹر صاحب کی ڈانٹ ہے، گھر والوں کی گھڑکیاں ہیں۔

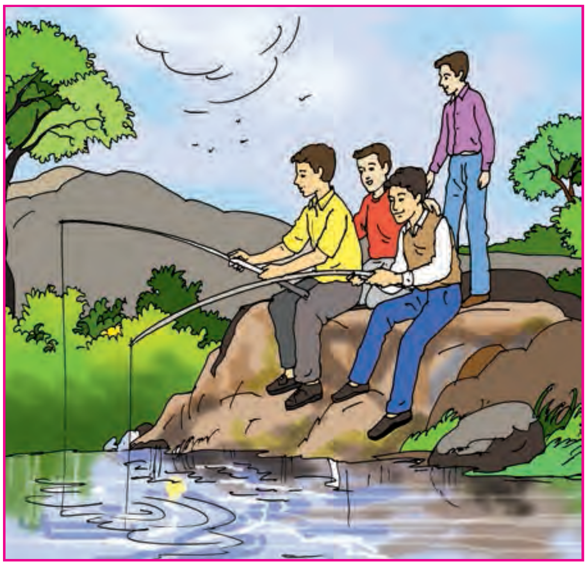

ہم دوسرے کنارے کی باتیں کرتے جسے دیکھنے کا ہمیں بے حد شوق تھا۔ ہم قیاس آرائیاں کرتے کہ وہاں کیا کچھ ہوگا، شاید وہاں کسی قسم کی دنیا ہوگی۔ ہم نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ جھیل کو عبور کر کے دوسری طرف جا پہنچیں لیکن ہمیں کشتی نہ مل سکی، نہ ہمیں تیرنا آتا تھا۔

ہم چاندنی رات میں جھیل کے کنارے بیٹھ کر ایک دوسرے کو پریوں کی کہانیاں سناتے تو جیسے سارے کردار ہماری آنکھوں کے سامنے چلنے پھرنے لگتے۔ چاندنی کچھ یوں بدل جاتی اور دوسرا کنارہ ایسا پُرسحر خطّہ معلوم ہونے لگتا کہ ہم سچ مچ پریوں کے ملک میں پہنچ جاتے۔

اگر وہ جھیل وہاں نہ ہوتی تو نہ جانے ہمارے دن کیونکر گزرتے۔ کیونکہ گھر میں ہر ایک ہم دونوں کا دشمن تھا اور ڈانٹ پلانے پر تلا ہوا تھا۔ اُن کا رویّہ یہ تھا کہ اگر کچھ کِیا ہے تو کیوں کِیا ہے اور اگر نہیں کیا ہے تو کیوں نہیں کِیا؟ ان دنوں سب کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ ہم دونوں نہایت نالائق ہیں اور بالکل نہیں پڑھتے۔ ابّا کا تبادلہ حسبِ معمول آبادی سے دور کسی ویرانے میں ہوا اور مجھے روفی کے یہاں بھیج دیا گیا۔ گھر سے ہر خط میں تاکید آتی کہ لڑکے کی پڑھائی کا خاص خیال رکھا جائے۔ چناں چہ خاص سے بھی زیادہ خیال رکھا جاتا۔ گیہوں کے ساتھ گُھن باقاعدہ پِستا اور ننھے میاں کی خوب تواضع ہوتی۔ ننھے میاں سونے سے پہلے بڑے خشوع وخضوع سے دعا مانگتے کہ ربّ العالمین! ہمارے کنبے والوں کو نیک ہدایت دے اور بتا کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے کیونکہ اب تک یہ لوگ اس سے بے بہرہ ہیں۔

ایک دن گھر میں سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جھیل کی باتیں شروع ہوگئیں۔ مچھلیوں کے متعلق ان کے شبہات بدستور تھے۔ ہم نے بڑے وثوق سے کہا کہ وہاں بڑی بڑی مچھلیاں ہیں۔ ہم اکثر پکڑتے رہتے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ انھیں بھوُنا بھی ہے۔ بولے اچھا، اس مرتبہ پکڑو تو گھر لانا۔ ہم بھی چکھیں گے۔

اگلے اتوار کو ہم صبح سے شام تک چھڑیاں پانی میں ڈالے بیٹھے رہے لیکن کچھ نہ ملا۔ واپسی پر بازار میں مچھلی والے سے بڑی بڑی مچھلیاں خریدی گئیں اور باورچی کے حوالے کی گئیں۔ اتّفاق سے اس شام کو سب کہیں باہر مدعو تھے۔ گھر میں صرف میں اور روفی تھے اور ایک بزرگ جو ننّھے میاں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھایا کرتے تھے۔ رات کو انھیں اچھی طرح دِکھائی نہیں دیتا تھا۔ ننّھے میاں پہلے تو دسترخوان پر بیٹھتے تھے؛ پھر چپکے سے اُٹھ جاتے۔ ادھر بلّیاں قطار باندھے منتظر ہوتیں اور بڑے اطمینان کے ساتھ آ بیٹھتیں۔ وہ یہی سمجھتے کہ ننّھے میاں ساتھ بیٹھے ہیں۔ چناں چہ وہ بار بار بلّیوں سے کہتے، ''برخوردار! بھوُکے مت رہنا۔'' چیزیں اُٹھا اُٹھا کر ان کے سامنے رکھتے۔ ''یہ چکھو برخوردار..... یہ بھی کھاؤ برخوردار!'' ادھر بلّیاں بڑے سکون سے کھاتیں۔

چناں چہ ہماری خریدی ہوئی مچھلیاں اس روز بلّیوں نے کھائیں۔ اگلی مرتبہ ہم جھیل پر گئے اور مچھلیاں خرید لائے تو نہ جانے کس کے مشورے سے مچھلیاں ڈاکٹر صاحب کے ہاں بھیج دی گئیں۔ اس سے اگلی مرتبہ انجینئر صاحب کے ہاں۔ پھر ایک روز کیا ہوا کہ سب کے سامنے مچھلی والا حساب لے کر آ گیا۔ دراصل ہمارا جیب خرچ ختم ہو چکا تھا اور مچھلیاں اُدھار آ رہی تھیں۔ سب کو پتا چل گیا۔ ہمارا خوب مذاق اُڑایا گیا۔

معنی واشارات

قیاس آرائی	-	سوچنا، خیال کرنا
پُرسحر	-	جادو بھرا
تواضع	-	خاطر مدارات، مراد پٹائی
گیہوں کے ساتھ گُھن پِسنا	-	کسی بڑی مصیبت میں بے قصور لوگ بھی پھنس جاتے ہیں
خشوع وخضوع	-	عاجزی کرنا، گڑگڑانا
بے بہرہ	-	انجان
شبہات	-	شبہ کی جمع، شک
وثوق	-	یقین

مشق

ایک جملے میں جواب لکھیے :

۱۔ شفیق الرحمٰن کہاں پیدا ہوئے؟
۲۔ شفیق الرحمٰن کی کون سی کتابیں مشہور ہیں؟
۳۔ جھیل کے کنارے کس قسم کی کہانیاں پڑھی جاتی تھیں؟
۴۔ مصنّف اور روفی جھیل کو کیوں عبور نہیں کر پاتے تھے؟
۵۔ ننّھے میاں سونے سے پہلے کیا دعا مانگا کرتے تھے؟
۶۔ مچھلیوں کے متعلّق کہا گیا جھوٹ کس طرح کُھلا؟
۷۔ مصنّف اور روفی کا مذاق کیوں اُڑایا گیا؟

مختصر جواب لکھیے :

۱۔ جھیل میں مچھلیوں کے نہ ہونے کی کیا وجہ بیان کی گئی ہے؟
۲۔ جھیل کی سیر کا حال کس طرح بیان کیا گیا ہے؟
۳۔ بازار سے مچھلیاں کیوں خریدی گئی تھیں؟
۴۔ خریدی ہوئی مچھلیاں بلیوں نے کیوں کھائیں؟

تلاش و جستجو

سبق کی مدد سے درج ذیل جملے مکمل کیجیے :

۱۔ ذراسی دیر میں ہم بھول جاتے کہ.............
۲۔ ہم قیاس آرائیاں کرتے کہ............
۳۔ دوسرا کنارہ ایسا پُرسحر خطّہ معلوم ہونے لگتا کہ.......
۴۔ سب کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ..........
۵۔ پھر ایک روز کیا ہوا کہ.............

زورِ قلم

شکاری اپنے شکار کے قصے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں یا گپیں ہانکتے ہیں۔ شکاریوں کے کئی لطیفے مشہور ہیں۔ اپنی پسند کا کوئی لطیفہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

عبارت آموزی

درج ذیل اقتباس پڑھ کر نیچے دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیے :

کسی جگہ دو گپ باز بیٹھے شیخی بگھار رہے تھے۔ ایک نے کہا، ''ایک مرتبہ میں شکار کے لیے نکلا تو کئی دنوں تک بھٹکتا رہا۔ آخر ایک دن اچانک شیر نظر آیا۔ میں نے فوراً نشانہ باندھا اور فائر کردیا۔ میری آہٹ پاتے ہی شیر پیڑ کی آڑ میں چھپ گیا۔ میری بندوق کی گولی بھی کم ہوشیار نہ تھی۔ وہ بھی ایک پیڑ کی آڑ میں رُکی رہی اور تھوڑی دیر بعد شیر کے باہر نکلتے ہی اسے جا لگی۔ شیر وہیں ڈھیر ہوگیا۔''

دوسرے گپّی نے کہا، ''میرا واقعہ تو اور بھی عجیب ہے۔ میں ایک مرتبہ ہمالیہ کی ترائی میں سیر کر رہا تھا اور بالکل نہتّا تھا۔ اچانک ایک شیر میرے سامنے آ گیا۔ میں قطعی نہ گھبرایا اور اس سے کہا، ''واہ میاں شیر! کپڑے بھی نہیں پہنے، ننگ دھڑنگ ہی چلے آئے۔ بس پھر کیا تھا۔ شیر وہیں مارے شرم کے مر گیا۔''

۱۔ پہلی گپ میں کون سی بات ناقابلِ یقین ہے؟
۲۔ دوسری گپ سے روزمرہ تلاش کر کے لکھیے۔
۳۔ دونوں گپ باز کیا بتانا چاہتے ہیں؟

سرگرمی/منصوبہ :

۱۔ مختلف قسم کی مچھلیوں کی تصویریں حاصل کر کے انھیں اپنی بیاض میں چسپاں کیجیے اور ان کے بارے میں مختصر معلومات لکھیے۔
۲۔ مچھلی اور حضرت یونسؑ سے متعلق مشہور واقعہ حاصل کر کے پڑھیے اور اپنے ساتھیوں کو سنائیے۔
۳۔ جھیل پانی کا ایک قدرتی ذخیرہ ہے۔ پانی حاصل کرنے کے اور بھی قدرتی اور مصنوعی ذرائع موجود ہیں۔ ان ذرائع کے نام معلوم کر کے لکھیے۔

آئیے زبان سیکھیں

زمانۂ مستقبل

ذیل کی مثالوں کو پڑھ کر ان کے (افعال کے) زمانے پر غور کیجیے۔

۱۔ دس گنا نفع پر ان کا مال کون خریدے گا؟
۲۔ میں تو مانگ مانگ کر کھاؤں گی۔
۳۔ بوڑھی کاکی میری آواز سنتے ہی اُٹھ بیٹھیں گی۔
۴۔ جو بولے گا، اس کو مزہ چکھادوں گا۔
۵۔ آخر لوٹ کر ادھر ہی سے گزرے گا۔
۶۔ جب روٹیاں ختم ہوجائیں گی تو میں کیا کھاؤں گا؟
۷۔ یہ سارے پھول جھڑ جائیں گے تو میری زندگی کا چراغ بھی گل ہوجائے گا۔

خط کشیدہ افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ ابھی آنے والا ہے یعنی یہ سارے کام آنے والے وقت میں ہوں گے (ابھی ہوئے نہیں ہیں) ایسے افعال کے زمانے کو '**زمانۂ مستقبل**' کہا جاتا ہے۔

● پڑھے ہوئے اسباق سے زمانۂ مستقبل کے پانچ جملے تلاش کرکے لکھیے۔

مضارع

سبق 'آخری گلاب' میں آپ نے پڑھا ہے:

ایک دن ایاز نے پوچھا، ''کیا بڑبڑا رہی ہو، دادی؟''

اس جملے میں 'بڑبڑانے' کا کام زمانۂ حال میں جاری ہے۔

اب یہ جملہ دیکھیے:

ہم کل میچ دیکھنے جارہے ہیں۔

اس جملے کے فعل 'جارہے ہیں' سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میچ دیکھنے جانے کا کام جاری ہے لیکن یہ کام کل ہوگا۔ اس لیے یہ جملہ زمانۂ حال کا نہیں، مستقبل کا ہے۔ کچھ جملوں کے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کام کا وقت حال بھی ہوسکتا ہے اور مستقبل بھی جیسے:

۱۔ چاہے کسی کے منہ میں پانی تک نہ جائے لیکن پہلے تمھاری پوجا کرے۔
۲۔ پرماتما میری خطا معاف کردے۔
۳۔ ہٹتا ہے کہ ماروں قرولی۔
۴۔ اللہ کرے آپ جلدی ٹھیک ہوجائیں۔

ایسے زمانے کو جس سے حال اور مستقبل دونوں کا اظہار ہو، اسے '**مضارع**' کہتے ہیں۔ پڑھے ہوئے اسباق سے مضارع کے جملے تلاش کرکے لکھیے یا ایسے ہی پانچ نئے جملے بنائیے۔

ادبی لطائف

☺ پنڈت ہری چند اختؔر نے طویل عرصے کے بعد عبدالحمید عدمؔ کو کسی مشاعرے میں دیکھا لیکن پہچان نہ سکے کیونکہ عدمؔ صاحب کافی فربہ اندام ہوچکے تھے۔ عدمؔ نے انھیں دیکھ کر خود آگے بڑھ کر کہا، ''پنڈت جی! میں عدمؔ ہوں۔'' اختؔر صاحب نے بے ساختہ کہا، ''اگر عدم کا یہ حال ہے تو وجود کیا ہوگا؟''

☺ ایک صاحب جو داغؔ دہلوی کی مقبولیت اور شہرت کو حاسدانہ نگاہوں سے دیکھتے تھے اور بزعم خود بہت بڑے شاعر تھے، ایک دن داغؔ دہلوی سے راہ میں مل کر کہنے لگے، ''حضرت! آج میرا اور آپ کا فیصلہ ہوجائے۔ فرمائیے میں اچھا شعر کہتا ہوں یا آپ؟''
داغؔ نے کہا، ''شعر تو بلا شبہ آپ ہی اچھا کہتے ہیں لیکن اس کا کیا علاج کہ لوگ میرے ہی شعروں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

☺ کنہیا لال کپور ایک بار مولانا آزادؔ سے ملنے گئے۔ مولانا نے ان کے لیے چائے تیار کی۔ کپور نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر منہ بنایا اور کہا، ''بے حد تلخ ہے۔''
مولانا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، ''پیے جاؤ، پیے جاؤ۔ سچ ہمیشہ ہی تلخ ہوتا ہے۔''